# اشکِ رواں

## اردو غزلیات

عبدالکریم قدسی

غالب نما
لاہور

# عبدالکریم قدسیؔ

## کی تجرباتی شاعری اور انسان نواز شخصیت

قارئین! کیا آپ نے کبھی زخموں کا لباس اوڑھے کسی خانماں برباد فقیر کو اپنے گم شدہ گھر کا پتا ڈھونڈتے ہوئے دیکھا ہے؟ نہیں ناں؟ یہ خانہ بدوش اللہ کا بندہ عبدالکریم قدسی ہے۔ جس کے پورے وجود پر سیاسی درندوں اور مذہبی ٹھیکے داروں نے احساساتی طور پر اتنے کوڑے برسائے کہ اس کو گھر بار چھوڑ کر، اپنی زمین سے کوسوں دور پرائے ملکوں میں پناہ گزیں ہونا پڑا:

ہمارا گھر بھی جلا اور ہمیں سزا بھی ہوئی
ہمارے عہد کے منصف بھی دل دکھا کے چلے
گھر کی دیواریں مہاجن کی نظر رکھتی تھیں
گھر کا ماحول تھا مقروض گھرانوں جیسا

اپنی بدحالیوں کا خونچکاں منظر نامہ قدسیؔ صاحب اتنی شدت سے پیش کرتے ہیں کہ قاری بے ساختہ اداس ہو کر ان کا ہمدرد بن جاتا ہے:

ظالم گنے نہ لوٹنے والے گنے گئے
لیکن ہمارے منہ کے نوالے گنے گئے
گھر میں رہ کر سفر میں رہتا ہوں
یہ سفر مدتوں سے جاری ہے
سانحہ کیا ہوا دسمبر میں
جون میں بھی ٹھرے ٹھرے رہنا

بدعنوانیوں کے شکار عبدالکریم قدسیؔ فرماتے ہیں۔

لوگوں نے مل کے وقت کو تسخیر کر لیا
اور ہم ہیں ذات پات کے قیدی بنے ہوئے

عہدِ حاضر میں برپا دہشت گردانہ انسان کشیوں کی وارداتی تصویر طنزیہ دردناک اسلوب میں دیکھئے:

ہم نے عبادتوں کے قرینے سکھا دیئے
تازہ لہو سے صحنِ معابد سجا دیئے

# اشکِ رواں

اُردو غزلیات

عبدالکریم قدسیؔ

غالبؔ نُما
پبلی کیشنز، لاہور

2018ء

ISBN : 978-969-9003-17-2

کتاب : اشکِ رواں

شاعر : عبدالکریم قدسی

مطبع : مکتبۂ جدید، لاہور

سرورق : عزیزالرحمٰن عزیز

کمپوزنگ : عبدالکبیر قمر

ترتیب وتزئین : تصوّر حسین (0300-8829490)

قیمت : چار سو روپے ........... دس امریکن ڈالر

ABDUL KAREEM QUDSI
11113 TANEY, DR, FREDERICKSBURG
22407, VA, USA
+ 1 (540) 388-7948

# انتساب

تین محترم ہستیوں

جناب شرقی بن شائق

جناب ساغر صدیقی

اور

جناب اقبال صلاح الدین

کے نام

جن کی صحبت میں لفظ کی حرمت وتوقیر سیکھی

اصل زر دے بھی چکے اشکِ رواں کی صورت
ہائے اس غم کے مہاجن کا بقایا نہ گیا

# ترتیب


| | | |
|---|---|---|
| ❖ عبدالکریم قدسی ایک انسان نواز شخصیت | پروین کمار اشک | ۹ |
| ❖ صاف ستھری شاعری | پروفیسر سیّد گلزار بخاری | ۱۲ |
| ❖ عبدالکریم قدسی کی سخن سرائی | ڈاکٹر عبدالکریم خالد | ۱۵ |
| ❖ عبدالکریم قدسی۔ ایک محنتی شاعر | پروفیسر ظہیر احمد ظہیر | ۲۱ |
| ❖ کچھ یادیں کچھ باتیں | عبدالکریم قدسی | ۲۳ |
| ❖ خوف کے تیر ہیں رستہ ہے کمانوں جیسا | | ۲۹ |
| ❖ شہرِ ناپُرساں میں ہمسایہ کہاں | | ۳۰ |
| ❖ زمانے سے گلے شکوے نہیں ہیں | | ۳۱ |
| ❖ نہ ہم بھکاری ہیں نہ ہم اناج مانگتے ہیں | | ۳۳ |
| ❖ وداع کے وقت مجھے کیا گلے لگا کے چلے | | ۳۵ |
| ❖ گرمیاں بھی کب گزرتی ہیں عذابوں کے بغیر | | ۳۷ |
| ❖ ظالم گِنے نہ لوٹنے والے گِنے گئے | | ۳۸ |
| ❖ ادب کی سوئے ادب کی تمیز رکھتے ہیں | | ۳۹ |
| ❖ ہم نے عبادتوں کے قرینے سکھا دیئے | | ۴۰ |
| ❖ ہر کسی سے پرے پرے رہنا | | ۴۱ |
| ❖ زمیں پہ زندگی بھی آسماں سے آتی ہے | | ۴۲ |

❖ ہم ہیں تعصّبات کے قیدی بنے ہوئے ۴۳
❖ جہاں بھی عدل کی پگڑی کوئی اچھالے گا ۴۵
❖ جو قلمکار ہے لکھاری ہے ۴۷
❖ جس نے درد دوسرا نہیں دیکھا ۴۹
❖ اگرچہ خشک ہیں اور ختم ہونے والے ہیں ۵۱
❖ لبوں کی پیاس کو آرام بھی نہیں آتا ۵۳
❖ رُت نیا کوئی فسانہ ہی گھڑا کرتے تھے ۵۴
❖ دل کی بستی میں ترے بعد کوئی آیا نہ گیا ۵۵
❖ لہو کو مہندی سمجھنے والے حنا پہ تہمت لگا رہے ہیں ۵۷
❖ نہ اہل زر کا نہ زر ہی کا میں غلام رہا ۵۹
❖ سوال کر نہ سکے گور ہے سوالی سے ۶۱
❖ گو میرے احساس کا برباد شیرازہ ہوا ۶۲
❖ یہ جھوٹ ہے میں ان سے محبت نہیں کرتا ۶۳
❖ پھول سے بھی بہل کے دیکھ کبھی ۶۵
❖ یادِ شبِ سکوت ہے آباد ان دنوں ۶۷
❖ لہو اپنا بہا کر وقت کو تسخیر کرتا جا ۶۹
❖ بے برگ و بار، خشک، فسردہ، کرخت ہے ۷۱
❖ سرفروشوں کو تو ڈر لگتا نہیں گرداب سے ۷۳
❖ سجدۂ اخلاص کی عزت لٹا سکتا نہیں ۷۵
❖ افسانۂ حیات کے عنوان لٹ گئے ۷۷
❖ فروزاں یوں کرو دل کی کرن کو ۷۹
❖ کانپتی دھرتی تلوّن خیز موسم سال کا ۸۱
❖ بے قراری کو بنایا جب قرارِ زندگی ۸۳

| | |
|---|---|
| ❖ مرحلے ہستی کے آسانی سے طے ہوتے گئے | ۸۴ |
| ❖ عجب غموں سے پڑا واسطہ زمانے میں | ۸۵ |
| ❖ کس کے گیسو سامنے لہرا گئے | ۸۷ |
| ❖ کرچیوں میں بٹ گیا چہرہ نما ہونے کے بعد | ۸۹ |
| ❖ وہ آج کیا قریب سے ہوکر گزر گئی | ۹۱ |
| ❖ جو بھی قطرہ تیرے جام سے بچ گیا | ۹۳ |
| ❖ نہیں کہ مجھ پر مظالم کا کچھ اثر نہ ہوا | ۹۴ |
| ❖ جواں رہرووں کی جبینوں پہ دیکھو غضب کا تزلزل عیاں ہو رہا ہے | ۹۵ |
| ❖ تدبیرِ نو ہے آہ کی تاثیر بن گئی | ۹۷ |
| ❖ عزت و ناموسِ انساں چارسو بے آبرو | ۹۹ |
| ❖ جذبات کا خوں جیسے کہ چہرے پر ملے ہیں | ۱۰۰ |
| ❖ یہ درد تیری عطا ہے تو کوئی بات نہیں | ۱۰۱ |
| ❖ اک بار گر کے اٹھ سکیں اتنا بھی دم نہیں | ۱۰۳ |
| ❖ جب ان کو دیکھا تو دل ہاتھ سے لگا جانے | ۱۰۴ |
| ❖ عظمتِ میکدہ بڑھا دی ہے | ۱۰۵ |
| ❖ آج محفل میں کون آیا ہے | ۱۰۷ |
| ❖ پھر زمانے سے دُور ہونا پڑا | ۱۰۸ |
| ❖ اب زبانِ میکدہ میں گفتگو ہونے لگی | ۱۰۹ |
| ❖ سر بسر قلاش ہوکر رہ گیا | ۱۱۱ |
| ❖ دھوپ بن کر ہی کوئی شخص بچائے مجھ کو | ۱۱۳ |
| ❖ سوئے مقتل مسکرا کر لے گیا | ۱۱۵ |
| ❖ زرد کلیوں کی رفاقت بھی سہانی ہوگی | ۱۱۷ |
| ❖ سایہ جو میرا دھوپ کے خنجر سے کٹ گیا | ۱۱۹ |

❖ سازسے کچھ گیت نکلے جام سے ٹکرا گئے ۱۲۱
❖ اس طرح تو دل میں آ کر رقص فرمایا نہ کر ۱۲۳
❖ طوفانِ بیکراں کے طلبگار کیا ہوئے ۱۲۵
❖ ہیں آس کے کہار نہ دلہن خیال کی ۱۲۷
❖ مجھ کو اس دہرے تعلق پہ بہت ناز بھی ہے ۱۲۹
❖ پچھتا رہا ہوں درد کی شہنائی ڈھونڈ کر ۱۳۱
❖ ضبط نے اشکوں کے دھارے کو پھر بہنے سے روک دیا ہے ۱۳۳
❖ لہلہاتا کھیت جل کر روشنائی دے گیا ۱۳۴
❖ شاداب گل و سرو سمن کرتے رہیں گے ۱۳۵
❖ شام ہوئی جاتی ہے سائے ڈھلتے ہیں ۱۳۷
❖ اونچا کریں وقارِ خودی، بے خودی سے ہم ۱۳۹
❖ گو پہلے بھی فضا میں نمی کی کمی نہ تھی ۱۴۱
❖ کیا اوج پر ہے رونقِ بازار ان دنوں ۱۴۳
❖ مجرم عشق ہیں، ملزمِ اشک ہیں ہم کو منظور ہے ہر سزا دوستو ۱۴۵
❖ گلہ کوئی اہلِ میکدہ سے نہ لب پہ شکوہ حرم نشیں کا ۱۴۷
❖ گر چراغِ آخر شب سے سفر ہوتا نہیں ۱۴۹
❖ کانٹے ہیں جس طرف بھی نظر کر رہے ہیں ہم ۱۵۱
❖ جس کی راہوں پر مسلط ہے تعصب کی ہوا ۱۵۳
❖ در و دیوار تک ڈوبے ہیں نفرت کے پسینوں میں ۱۵۵
❖ کل رات جو دیکھی تھی عجب رویا تو میں رویا ۱۵۷
❖ جو جاں سے گزرنے چلے پا پیادہ ہم سے زیادہ ۱۵۸
❖ جب کوئی خدمت نہیں کیا حقِ خدمت مانگنا ۱۵۹


◆◆◆

# عبدالکریم قدسیؔ ایک انسان نواز شخصیت

قارئین! کیا آپ نے کبھی زخموں کا لباس اوڑھے کسی خانماں برباد فقیر کو اپنے گم شدہ گھر کا پتا ڈھونڈتے ہوئے دیکھا ہے؟ نہیں ناں؟ یہ خانہ بدوش اللہ کا بندہ عبدالکریم قدسیؔ ہے۔ جس کے پورے وجود پر سیاسی درندوں اور مذہبی ٹھیکے داروں نے احساساتی طور پر اتنے کوڑے برسائے کہ اس کو گھر بار چھوڑ کر، اپنی زمین سے کوسوں دور پرائے ملکوں میں پناہ گزیں ہونا پڑا:

ہمارا گھر بھی جلا اور ہمیں سزا بھی ہوئی
ہمارے عہد کے منصف بھی دل دکھا کے چلے
گھر کی دیواریں مہاجن کی نظر رکھتی تھیں
گھر کا ماحول تھا مقروض گھرانوں جیسا

اپنی بدحالیوں کا خونچکاں منظر نامہ قدسیؔ صاحب اتنی شدت سے پیش کرتے ہیں کہ قاری بے ساختہ اداس ہو کر ان کا ہمدرد بن جاتا ہے:

ظالم گنے نہ لوٹنے والے گنے گئے
لیکن ہمارے منہ کے نوالے گنے گئے
گھر میں رہ کر سفر میں رہتا ہوں
یہ سفر مدتوں سے جاری ہے

سانحہ کیا ہوا دسمبر میں
جون میں بھی ٹھرے ٹھرے رہنا

زمینی بدعنوانیوں کے شکار عبدالکریم قدسیؔ فرماتے ہیں :

لوگوں نے مل کے وقت کو تسخیر کر لیا
اور ہم ہیں ذات پات کے قیدی بنے ہوئے

عہدِ حاضر میں برپا دہشت گردانہ انسان کشیوں کی وارداتی تصویر طنزیہ دردناک اسلوب میں دیکھئے:

ہم نے عبادتوں کے قرینے سکھا دیئے
تازہ لہو سے صحنِ معابد سجا دیئے

اجنبی ملک میں زندگی کیسے بسر ہوتی ہے حساس فنکار بیان کرتا ہے :

یہ فضا یہ راستے ناآشنا
میں نے جانا تھا کہاں، آیا کہاں

ایک ملک بدر کی کربنا کی موثر انداز میں کتنے زاویوں سے عیاں ہورہی ہے :

مجاور بھی انہیں کیوں یاد رکھیں
کہ جنکی قبر پر کتبے نہیں ہیں

ایک شریف النفس مفلس کی معاشی تنگدستی اس کو خون کے آنسو کیسے رلاتی ہے۔ ملاحظہ کریں:

لیے جو دھوپ میں چھاؤں کے قرضے
رُتیں گزریں ابھی اترے نہیں ہیں

مندرجہ بالا حیات کش فضاؤں میں بھی عبدالکریم قدسیؔ انتہائی مضبوط آہنی ارادوں اور پُرامیدی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں :

اگرچہ خشک ہیں اور ختم ہونے والے ہیں
یہ کم نہیں کہ میسر ابھی نوالے ہیں
گلستاں چھوڑنا شکست نہیں
اب بھی کانٹوں سے جنگ جاری ہے
دھوپ کیسی بھی تھی مگر ہم نے
سر سے پگڑی نہیں اتاری ہے
سفر میں رہنا نہ شکوہ گلہ کوئی کرنا
یہ مشقِ ظرف تو آب رواں سے آتی ہے

عبدالکریم قدسی صاحب کی تجرباتی شاعری اور انسان نواز شخصیت مجھے دونوں عزیز ہیں۔خدا ایسے نیک فنکار کو صحت وسلامتی کے ساتھ زندہ رکھے آمین۔مجھے یقین ہے ان کا آمدہ غزلیہ مجموعہ اپنی انوکھی معنویت اور شعری صداقتوں کی بدولت پزیرائی حاصل کرے گا۔آمین! دعاؤں کے ساتھ

پروین کمار اشک
پٹھانکوٹ (پنجاب) بھارت
7 مارچ 2017ء

◆◆◆

# صاف ستھری شاعری

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی کا شاعر ہونا ہی باعثِ امتیاز ہے کیونکہ شاعر ہونا باقیوں سے مختلف ہونے کا اعلامیہ ہے اور یہ مختلف ہونا مثبت معنوں میں ہے۔ وگرنہ کئی اور پیشے بھی بندے کو بندوں سے مختلف بنا دیتے ہیں ایک پرانے شعر کا مصرع ہے :

شاعری جزویست از پیغمبری

شاعری کو پیغمبرانہ کام کہا گیا ہے اور یہ عظیم شعرا کے لیے ہی جچتا ہے کیونکہ سارے شعرا ایک جیسے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے :

شعر اگر اعجاز باشد بے بلند و پست نیست
در ید بیضاء ہمہ انگشت ہا یک دست نیست

یعنی شعرا میں اعلیٰ اور کم اعلیٰ کی تقسیم بھی مناسب ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے:

”کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔“

اور انسان کے اختیار میں کوشش ہے بقول حافظ شیراز :

ہر کس بقدر ہمت اوست

یعنی ہر شخص کے فکر کی پرواز اس کے تاب وتواں پر منحصر ہے۔ اب یہ تاب وتواں کیا ہے اور کیسے وجود میں آتی ہے۔ یہ سب اللہ کی توفیقات میں سے ہے۔ کسی کو وہ کتنا عطا کرتا ہے یہ اس کی مرضی ہے لیکن ہمارے بس میں یہ ہے کہ اس کی عطا پر شکر ادا کریں اور اپنی طرف سے مثبت کوشش جاری رکھیں۔

عبدالکریم قدسیؔ صاحب ہمارے گئے وقتوں کے دوست ہیں ایسے دوست جن کے ملنے پر کہنا پڑتا ہے:

"عمرِ رفتہ کے پلٹنے کا گماں ہوتا ہے

لاہور میں آنے کے بعد جن دوستوں سے روابط قائم ہوئے ان میں قدسیؔ صاحب بھی شامل ہیں۔ یہ ستر کی دہائی کا بیانیہ ہے۔ ہمیں بھی لاہور سے باہر اپنے ملک کے مختلف شہروں میں جانا پڑا اور قدسیؔ صاحب امریکہ جا سدھارے۔ اب ان کا اردو غزلیات کا مسوّدہ سامنے آیا جو چھپ کے آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا تو آپ بھی ان کی صاف ستھری شاعری کی داد دیں گے۔ صاف ستھری شاعری سے مراد جملہ خوبیوں سمیت شاعری ہے جس میں بحور کے انتخاب مناسب الفاظ، پیکر تراشی اور جملہ لوازمات کا خیال رکھ کر، کی جانے والی شاعری ہے جو قاری کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

قدسیؔ صاحب کی شاعری کو پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ وہ کلاسیکیت کے رجحان کو ساتھ لے کر چلے ہیں۔ اساتذہ کی زمینوں میں خامہ فرسائی کی ہے۔ معاصرین کی زمینوں کا عکس بھی نظر آتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی الگ شناخت بھی قائم ہے۔ یہ شعر دیکھیں :

اصل زر دے بھی چکے اشکِ رواں کی صورت
ہائے اس غم کے مہاجن کا بقایا نہ گیا

میرؔ کی زمین میں یہ ایک خوبصورت غزل ہے۔ اصل زر، مہاجن اور بقایا کے لفظیات نے شعر کو اپنے عہد کی تصویر بنا دیا ہے۔ اس طرح کا اہتمام قدسیؔ صاحب کی اکثر غزلوں میں نظر آتا ہے۔ دو اور شعر دیکھیے :

مکتبِ عشق میں پوچھا گیا جب کوئی سوال
سب سے پہلے تو ہمیں ہاتھ کھڑا کرتے تھے

آج قدسیؔ ترے لہجے میں بڑی تلخی ہے
ترے مُنہ سے تو کبھی پھول جھڑا کرتے تھے

اکثر غزلوں میں لمبی ردیفوں کو خوبصورت انداز میں نبھایا گیا ہے :

بہار نے جن کی پرورش کی بہار نے جن کو زندگی دی
وہ پھول برباد ہو کے بادِ صبا پہ تہمت لگا رہے ہیں

قدسیؔ صاحب کی شاعری میں انسان دوستی اور اعلیٰ قدروں کا خیال جا بجا نظر آتا ہے اور ان کی شاعری دامنِ دل کھینچتی ہے وہ جو نظیری نیشا پوری نے کہا ہے :

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ می کشد کہ جا ایں جا است

ان کی شاعری کا یہ مجموعہ بہت ہی دلپذیر ہے اور پڑھنے کی دعوت دیتا ہے اور پڑھنے کے بعد بڑا معنی خیز تاثر پیدا کرتا ہے۔ یقیناً یہ اردو ادب میں بہت اچھا اضافہ ہے۔

ابتدا میں کچھ اظہارِ خیال کا مطلب یہی ہے کہ اپنے تاثرات بیان کر کے قاری کو اپنے جذبات میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ اچھی شاعری سے جو ذہن میں خیال ابھرتے ہیں قدسی صاحب کا اردو کا یہ مجموعہ قاری کو یقیناً اچھی سمت میں لے کر چلے گا اور اس میں خوشگواریت کا احساس پیدا ہوگا۔ خدا کرے اس طرح کے مزید مجموعے ان کے نام سے آئیں تا کہ انسانیت کے فروغ میں مدد ملے۔ (آمین)

پروفیسر سید گلزار بخاری
سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج
جنڈیالا شیر خاں ضلع شیخوپورہ

◆◆◆

# عبدالکریم قدسی کی سخن سرائی

## نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں

میرے عہد میں شاعری کا چلن اتنا عام ہوگیا ہے کہ ہر کس و ناکس اِدھر کا رُخ کیے ہوئے ہے۔ میرے دوستوں اور ملنے والوں میں اکثر شاعر ہیں اور جو نہیں ہیں وہ بھی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ایک آدھ شعر ہی سہی، اُن کے کھاتے میں بھی پڑ جائے تاکہ وہ بھی شاعروں کی طرح عزت پائیں اور محفلوں کی رونق بڑھائیں۔ غالب نے تو اپنے باپ دادا کی سپہ گری پر ناز کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ''کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے'' مگر انہوں نے عزت شاعری ہی کے ذریعہ پائی اور ہر زمانے پر غالب رہے۔ خیر غالب کی بات اور تھی انھوں نے اسلوب کی شاعری کی۔ شاعری کا ایسا سانچہ بنادیا کہ آنے والوں کے لیے اس سے آگے بڑھنا تو ایک طرف رہا، خود کو اس میں فِٹ کرنا بھی آسان نہیں ہے۔ اقبال نے بھی جو رنگ پکڑا اس پر مزید رنگ جمانا بچوں کا کھیل نہیں۔ فیضؔ اور فرازؔ نے قبول عوام کی شاعری کی۔ ''گلوں میں رنگ بھرے بادِ نوبہار چلے'' اور ''آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لیے آ'' کیفیات اور محسوسات کی شاعری کوئی ان شاعروں سے سیکھے۔ ان کے بعد بہت سی نئی آوازیں ابھریں۔ میں ایک ہی سانس میں بہت سے نام لے سکتا ہوں۔ ثروت حسین، جمال احسانی، افضال احمد سید، صابر ظفر، غلام حسین ساجد، غلام محمد قاصر، پروین شاکر، شاہدہ حسن، محمد اظہار الحق، محمد خالد۔ یہ لوگ ایک گم ہوتی ہوئی تہذیب کا علَم تھام

کر نکلے اور بات کو ایک نئے ڈھنگ سے کہنے کا ہنر آزمایا۔ یہ سب ستر کی دہائی کے لوگ ہیں۔ اسی زمانے میں لاہور کے گلی کوچوں میں ابھی وہ لوگ زندہ تھے جو ادبی بیٹھکوں کو آباد کیے ہوئے تھے۔ استادی اور شاگردی کا تعلق بنانے اور اسے نبھانے کا سلسلہ قائم تھا۔ آج کا شاعر تو اس نوع کے سلسلوں سے آزاد ہے مگر اس زمانے میں ابھی آنکھ میں حیا باقی تھی، وفا شعاری عام تھی، اہل دل مصلحتوں کے اسیر نہ تھے، ایک لگن اور تڑپ تھی جو ہمہ وقت بے تاب رکھتی تھی۔ اچھا شعر سننے کو مل جاتا تو سینہ بہ سینہ چلتا ہوا شام تک آدھے شہر تک پہنچ جاتا۔ میرے دوست عبدالکریم قدسیؔ اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ ایسے کئی شعر عبدالکریم قدسیؔ کی زبانی مجھ تک پہنچے اور دل میں ترازو ہو گئے۔ ویسے تو میں انھیں ستر کی دہائی کے شاعروں میں ہی شمار کرتا ہوں لیکن وہ ستر کی دہائی میں نمایاں ہونے والوں سے یوں مختلف ہیں کہ انھیں ان استاد شاعروں کا پانی بھرنے کا شرف بھی حاصل ہوا جن کی صحبت میں بیٹھنا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ ساغر صدیقی، استاد دامن، ثاقب زیروی، شرقی بن شائق، اقبال صلاح الدین اور دیگر کئی استادوں سے تھپکی لے کر میدان میں اترے تو کبھی ناکام نہیں ہوئے۔ ان کی سخن سرائی کا سلسلہ ۱۹۶۸ء میں آغاز ہوا اور آج ۲۰۱۸ء میں پچاس برس گزر جانے کے بعد بھی اول روز کی تر و تازگی لیے ہوئے قائم ہے۔ ان پچاس برسوں میں وہ مسلسل تازہ دم رہے اور ایک لمحے کے لیے بھی ان میں پژمردگی اور اضمحلال کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ عبدالکریم قدسیؔ کو میں ایک بڑا شاعر ہی نہیں، استاد شاعر مانتا ہوں۔ وہ شاعری کی رمزوں اور اس کی باریکیوں کا نہ صرف ادراک رکھتے ہیں بلکہ اس کے وسیع تر امکانات کی خبر بھی رکھتے ہیں۔ انھوں نے رواروی میں شاعری نہیں کی، نہ ہی وہ ان لوگوں میں شامل ہیں جو یہ سوچ کر مصرعہ بناتے ہیں کہ بازارِ سخن میں اس کے کتنے دام ملیں گے۔ وہ حساب سود وزیاں رکھنے والے شاعر ہوتے، تو انھوں نے اُردو اور پنجابی زبان میں جس تسلسل اور توانائی سے لکھا ہے، آج سخن وری کے میدان میں کسی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتے لیکن ان

میں ایک خرابی ہے کہ انھوں نے خود پر جو رنگ چڑھایا ہے اُسے کاٹنے والا نسخہ ابھی تک ایجاد نہیں ہو سکا۔ جو بات کی ہے اس سے مکرنے کی راہ نہیں رکھی۔ جو اُسلوب تراشا ہے اس میں کہنے والا کوئی دوسرا نہیں رکھا۔ شاعری کو ایک سنجیدہ عمل کے طور پر اختیار کیا ہے اور اسے ایک سنجیدہ عمل ہی رہنے دیا۔ مشاعروں میں شاعری سنانے کے لیے پیسوں کا تقاضا نہیں کیا، ہاں اگر کوئی فن کا قدردان مل گیا تو انکار نہیں کیا۔ شاعری کے ایک سے بڑھ کر ایک سوداگر پڑے ہوئے ہیں۔ مگر کسی سوداگر کے ہاتھ پر بکنا گوارا نہیں کیا۔ جھکنا تو بڑی بات ہے کسی کی ہاں میں ادنیٰ سی ہاں ملانا بھی قبول نہیں کیا۔ شاعر کی ایک اَنا ہوتی ہے۔ جس سے وہ کسی قیمت پر دست بردار نہیں ہوتا۔ بہت سے تو اپنی اَنا کو ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں جسے موقع بہ موقع گروی رکھ چھوڑنا ان کے لیے ذرا مشکل نہیں ہوتا۔ عبدالکریم قدسیؔ کی اَنا ان کے کیسے میں بند ہوتی ہے جسے انہوں نے یوں مٹھی میں دبایا ہوتا ہے جیسے کوئی اسے چھین کر لے جائے گا۔ ایک دو موقعوں کا میں خود گواہ ہوں جب وہ محاورتاً نہیں بلکہ اصل معنوں میں آگ بگولا نظر آئے۔ اور اپنی اَنا کے مقابل اٹھنے والے کو چت کر کے چھوڑا۔

دوستوں کے دوست ہیں اور دوستی نبھانے کا گر جانتے ہیں۔ میری ان سے پہلی ملاقات ستر کے عشرے میں ہوئی۔ ان کے کان میں بھنک پڑی کہ میرا بھی شعر و ادب سے تعلق ہے تو خود ملنے چلے آئے۔ تب جو تعلق قائم ہوا وہ آج تک ڈھیلا نہیں پڑنے دیا۔ خود میری سخن طرازی کے پیچھے عبدالکریم قدسیؔ نہ کھڑے ہوتے تو شاید میں یہ بھاری پتھر چوم کر چھوڑ دیتا۔ ان کے مسلسل ہمت دلانے اور حوصلہ افزائی کے سبب میں کچھ کہنے کے لائق ہوا۔ ان کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق جمیلہ کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اسے اس مختصر بیانیے میں سمونا ممکن نہیں۔ یہ تفصیل ایک الگ مضمون کی متقاضی ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا، عبدالکریم قدسیؔ کی شاعری کو پچاس برس ہونے کو آئے ہیں۔ اس دوران میں انہوں نے خوب جم کر شاعری کی۔ ان کی نظموں کے کئی مجموعے شائع

ہو چکے ہیں۔ان کی پنجابی شاعری کو نہ صرف پاکستان میں بلکہ بھارت میں بھی بے پناہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ ان کے مداحین اور چاہنے والوں کی ایک بڑی تعداد بھارت میں موجود ہے۔ پنجابی زبان وادب کے ناقدین نے انہیں پنجابی شاعری کی مین سٹریم (Main Stream) میں شامل کرر کھا ہے۔ پنجابی شاعری کی کوئی تاریخ اور تذکرہ ان کے نام اور ذکر کے بغیر مکمل نہیں۔اردو شاعری میں بھی ان کا مرتبہ کم نہیں۔عبدالکریم قدسیؔ محنت اور تجربے پر یقین رکھتے ہیں۔شاعری ایک یا دو دن کا قصہ نہیں،اس میں تواتر کے ساتھ جی کو جلانا پڑتا ہے۔شاعری پھولوں کی وہ کیاری ہے جسے خون جگر سے سینچ کر ہی آپ خوشبوؤں اور رنگوں کی حسن کاری کر سکتے ہیں۔''اشک رواں'' کی غزلیں اس حسن کاری کی خوب صورت مثال ہیں۔شاعر کی فن کاری غزل ہی میں کھلتی ہے کہ شعر کے دو مصرعوں میں اسے ایک جہان معنی دکھانا ہوتا ہے۔غزل میں پاؤں جما کر کھڑے ہونا مشکل امر ہے لیکن عبدالکریم قدسیؔ ثبات قدم کے ساتھ اس منطقے میں سر بلند نظر آتے ہیں۔بہت سے شاعر ایسے ہیں جو غزلؔ کے مصرعوں پر زور آزمائی اور خیال سے ہاتھا پائی کرتے نظر آتے ہیں۔شعر کہہ بھی دیا تو ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔مگر عبدالکریم قدسیؔ کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے۔وہ بڑی سہولت اور نرمی کے ساتھ شعر کہتے ہیں۔وہ لفظوں سے ہم آہنگ کر کے خیال کو اس طور گرفت میں لاتے ہیں کہ چند ثانیے میں شعر کے خدوخال بننے لگتے ہیں اور اپنے عہد کی ایک مکمل تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ یہ شاعر کے دستِ ہنر شناس کا کمال ہے کہ جس خیال کو چھُوا، اسے تصویر کر دیا۔

عبدالکریم قدسیؔ جس عہد میں کارِسخن انجام دے رہے ہیں۔اس کی کوئی کل سیدھی نہیں۔سیاسی، سماجی اور اخلاقی حوالے سے نظام زندگی درہم برہم ہو چکا ہے۔ایسے میں شاعر کے خیالات اور محسوسات ایک کرب انگیز صورت حال کی تصویر کشی ہی نہیں کرتے، پڑھنے والے کے احساس اور کیفیت پر تازیانے کا حکم بھی رکھتے ہیں۔

جہاں بھی عدل کی پگڑی کوئی اچھالے گا
یہ وقت اس کی رعونت پہ خاک ڈالے گا

زمانے سے گلے شکوے نہیں ہیں
میرے اپنے میرے اپنے نہیں ہیں

کانٹے ہیں جس طرف بھی نظر کر رہے ہیں ہم
چھلنی ہیں پاؤں پھر بھی سفر کر رہے ہیں ہم

ہر شب کو شب کہا ہے سرِ دار بارہا
آساں نہیں یہ کام مگر کر رہے ہیں ہم

افسانۂ حیات کے عنوان لٹ گئے
انسان ہی کے ہاتھ سے انسان لٹ گئے

ان اشعار کے تناظر میں یہ بات پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ عبدالکریم قدسؔی نے اپنے زمانے کے ہر پست و بلند کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ان کا شعوری احساس انہیں اپنے عہد کی منافقتوں، رزالتوں، چیرہ دستیوں اور ستم ظریفوں کی وہ تصویر دکھاتا ہے جسے عام آنکھ شاید زیادہ گہرائی سے نہ دیکھ سکے۔عبدالکریم قدسؔی نے غزل کے روایتی مضامین کو بھی اس سلیقے اور قرینے سے پیش کیا ہے کہ ان میں جدت اور ندرت پیدا ہو گئی ہے۔خیال کوئی بھی ہو، عبدالکریم قدسؔی کی ہنرمندی اس کے ایسے ایسے پیکر تراشتی ہے کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے

خالی کر دے نہ میری آنکھوں کو
آنسوؤں کا بھرے بھرے رہنا

ایسے براجمان ہے وہ دل کے تخت پر
جیسے کہ حسنِ شعر میں بندش خیال کی

مجھ کو اظہارِ غم دل کی ضرورت ہی نہیں
میری صورت مرے حالات کی غماز بھی ہے

عبدالکریم قدسیؔ کی غزل جہاں ان کے عہد کی آواز بن کر سامنے آتی ہے وہاں ان کے دل کی سرگوشیوں کو اشاروں کی زبان میں پیش کرتی ہے۔ انہوں نے غم دوراں اور غم جاناں کو یوں ہم آمیز کیا ہے کہ یہ دونوں غم بجائے خود ایک دوسرے کے لیے آئینہ بن گئے ہیں۔ انہوں نے منفرد انداز میں خیال کو نیا لہجہ اور لفظ کو نئے معانی عطا کیے ہیں۔

شاعری کے ساتھ ان کا اٹوٹ رشتہ ہے۔ ان کی ریاضت اور محنت نے اس رشتے کو نا قابل شکست بنا دیا ہے۔

تحریر و بیاں، لہجہ و الفاظ سے قدسیؔ
آداب زباں صرفِ سخن کرتے رہیں گے

میں عبدالکریم قدسیؔ کو بجا طور پر ان شاعروں میں شمار کرتا ہوں جن کے دم سے شاعری کی آبرو قائم ہے۔ ان کی اس بات کو آپ لاکھ تعلّی کہیں، مگر بات انہوں خدا لگتی کہی ہے:

مجھ سے ملا ہے حسن معانی کو اک وقار
وہ میں کہ جس نے لفظ کی عظمت بحال کی

ڈاکٹر عبدالکریم خالد
E/ 226، رحمان پورہ لاہور
03004680109

◆◆◆

# عبدالکریم قدسیؔ......ایک محنتی شاعر

شاعری ادب کی وہ صنفِ سخن ہے جس میں شعور کی باتیں کرنے والا ہی شاعر کہلاتا ہے جو کہ اپنے وقت اور زمانے کا نہایت ذہین اور عقل مند انسان ہوتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ حالات وواقعات کا مشاہدہ وتجربہ کرکے اپنی قوم وملت کے لیے دانش مندی کے فیصلے سناتا ہے بلکہ ماضی کی غلطیوں اور حال کے تجربوں کو سامنے رکھ کر مستقبل کی راہیں متعین کرتا ہے۔

عبدالکریم قدسیؔ کا شمار بھی ایسے شاعروں اور دانشوروں میں ہوتا ہے جن کی شاعری میں انسانی کرب اور حالات کے جبر کی نشان دہی ہوتی ہے۔ایسے شعرا فطرت کے عکاس ہوتے ہیں۔عبدالکریم قدسیؔ ایک فطری شاعر ہیں جن کی ڈیوٹی صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ ان تمام دکھوں اور تکلیفوں سے معاشرے کو روشناس کرائیں جو معاشرتی اعتبار سے معاشرتی رویوں اور ان کے چہرے پر ایک کوڑھ کی علامت ہوتے ہیں۔

عبدالکریم قدسیؔ کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی ''امید'' ہے وہ اپنے قاری کو کبھی بھی ناامید نہیں ہونے دیتے بلکہ اسے ایک فلسفی کے انداز میں دلیل کے ساتھ محنت کرنے پر اکساتے ہیں اور سہانے مستقبل کی نشان دہی کرتے ہیں۔عبدالکریم قدسیؔ نے ہمیشہ محنت ومشقت کو اپنا شعار بنایا اور کبھی بھی اپنے ہونٹوں پر کسی شکوے یا گلے کو نہیں سجایا بلکہ سہانے مستقبل کی نوید سنا کر انسانی فطرت کو مطمئن ہونے پر مجبور کیا۔

عبدالکریم قدسیؔ کی شاعری میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک استاد اور پختہ کار شاعر میں ہونی چاہئیں۔ میرا اور عبدالکریم قدسیؔ کا ساتھ تقریباً چالیس بیالیس سال سے ہے اس دوران میں نے کبھی بھی ان کی ذات کے اندر شاعرانہ غرور نہیں دیکھا بلکہ ایک مبتدی کی طرح ہمیشہ مشورہ کرتے ہوئے پایا۔ آج اگرچہ قدسیؔ صاحب کے بے شمار شاگرد ہیں لیکن قدسیؔ صاحب نے کبھی بھی استاد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ عاجزی اور انکساری کو اپنی زندگی کا مطمحِ نظر بنایا۔

آخر میں میری دعا ہے کہ عبدالکریم قدسیؔ جس مقام کے حق دار ہیں وہ انہیں ملتا ہوا میں بھی اپنی زندگی میں دیکھوں۔ عبدالکریم قدسیؔ کے یوں تو بے شمار اشعار ایسے ہیں جو لوگوں کے دلوں میں براجمان ہیں لیکن مجھے ان کے ایک شعر نے نہایت متاثر کیا جبکہ میں باقی اشعار کی طرف ابھی دھیان ہی نہ دے سکا۔

تم اپنے خیالات مجھے سونپ کر دیکھو
ہر شخص امانت میں خیانت نہیں کرتا

**پروفیسر ظہیر احمد ظہیر**
لاہور انگلش اکیڈمی
کریم پارک لاہور

◆◆◆

# کچھ یادیں کچھ باتیں

میں نے ۱۹۷۲ء میں پہلا مشاعرہ ریڈیو پاکستان لاہور سے پڑھا۔ اس وقت ہر کس وناکس ریڈیو پر مشاعرہ نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اساتذہ کی ایک کمیٹی جس میں صوفی تبسم، احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی اور ثاقب زیروی ایسے لوگ شامل تھے، شاعر کی منظوری دیتی تب کہیں شاعر کو کنٹریکٹ بھیجا جاتا تھا۔ اگر چہ میرا کلام ۱۹۶۸ء سے مختلف پرچوں میں کبھی کبھار چھپنا شروع ہو گیا تھا تاہم ادبی حلقوں میں ابھی اجنبی تھا۔

چناں چہ جب ریڈیو سے مشاعرہ پڑھا تو میرے کلام ہی سے ابتدا ہوئی۔ نظامت کے فرائض اخلاق احمد دہلوی ادا کر رہے تھے انہوں نے مجھے بلانے کے لیے عبدالکریم قدسی کی بجائے عبدالکریم ثمر اناؤنس کر دیا۔ چونکہ اس وقت Live مشاعرے ہوا کرتے تھے اس لئے کانٹ چھانٹ یا مشاعرہ روکنے کا سوال ہی نہ تھا۔ لسٹ عبدالشکور بیدل (پروڈیوسر) اور قتیل شفائی نے مرتب کی تھی۔ انہوں نے دوبارہ لسٹ پر نظر ڈالی اور اکبر کاظمی کو اشارہ کیا جو اخلاق احمد دہلوی کے پاس ہی بیٹھے تھے اکبر کاظمی نے اخلاق احمد دہلوی کے کان میں غلطی کی نشان دہی کی چناں چہ جب میں نے غزل ختم کی تو اخلاق صاحب نے مجھ سے اور سامعین سے معذرت کی۔

۱۹۶۸ء سے ۲۰۰۸ء تک چالیس سالہ ادبی سفر ''ادبی دھڑے'' بندیوں سے الگ تھلگ رہ کر کیا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میرا اردو مجموعہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔ ۱۹۶۸ء ہی میں لاہور ملازمت کے سلسلہ میں آنا پڑا اور سب سے پہلے اپنے کولیگ طالب حسین طالب

سے جو بچوں کے پرچے ''کھلونا'' کے ایڈیٹر تھے، سے ادبی دوستی شروع ہوئی۔ پھر ساغر صدیقی کے حلقہ میں بیٹھنا شروع کیا۔ میرے علاوہ روزانہ حاضری دینے والوں میں یونس حسرت امرتسری، ظہیر احمد ظہیر، توقیر لدھیانوی، یونس ادیب، ناز خیالوی، عبدالستار مفتی اور یاسین رضا شامل تھے۔ طالب حسین طالب اور یوسف مثالی بھی کبھی کبھار آجاتے۔

ایک دن ساغر صاحب کہنے لگے کہ کہیں چھپتے ہو، عرض کی نہیں۔ بھلا ہمیں کون چھاپے گا۔ کوئی واقف کار ہی نہیں۔ کہنے لگے بھئی چھپنا بھی ایک طرح کا صلہ ہوتا ہے۔ لیکن کوشش کرنا اس پرچے میں چھپو جس کا ایڈیٹر خود شاعر ہو۔ میں نے کہا کہ پھر آپ ہی وہ پرچا بتائیں۔ کہنے لگے پتا نوٹ کرو۔ ایڈیٹر ہفت روزہ ''لاہور'' بلونت مینشن بیڈن روڈ، لاہور۔ ثاقب صاحب خود بھی بڑے اچھے شاعر ہیں۔ جس پرچے میں آپ کی غزل شامل ہوگی وہ آپ کو اعزازی بھی ملے گا۔ بہت وضعدار انسان ہیں ورنہ آجکل ایسے لوگ کہاں۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں عبدالستار مفتی، یونس حسرت امرتسری، ظہیر احمد ظہیر اور میں ''لاہور'' میں دھڑا دھڑ چھپنا شروع ہو گئے۔

ایک دن دفتر میں ثاقب صاحب کو سلام کے لیے حاضر ہوا۔ بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ کہنے لگے اچھا تو آپ ہیں عبدالکریم قدسیؔ! میرے ذہن میں تو ایک باریش بزرگ کا سراپا تھا۔ آپ ماشاءاللہ نوجوان ہیں اور اچھا لکھتے ہیں، کس کو کلام دکھاتے ہیں۔ عرض کی بس ساغر صاحب ہی سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ کہنے لگے ساغر ہمارا دوست ہے۔ بہت اچھا شاعر ہے۔ مگر شاعری اور اصلاح دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ وہ ظالم، نشہ بھی بہت ظالم کرتا ہے۔ بہتر ہے کسی اور کو کلام دکھا لیا کرو۔ اگرچہ وزن میں کہنا شاعری کی پہلی شرط ہے تاہم نوک پلک سنوارنے کے بہت سے مراحل آگے چل کر آتے ہیں۔ میں نے عرض کی پھر آپ ہی دیکھ لیا کریں۔ مسکرائے اور کہنے لگے آپ دیکھ رہے ہیں نا! میں آپ سے باتیں بھی کر رہا ہوں اور پرچے کا کام بھی جاری ہے مجھے تو سر کھجانے کی فرصت نہیں۔ البتہ اس وقت احسان دانش صاحب یا شرقی بن شائق ہیں۔ جو اس فن کے استاد ہیں۔ ان میں سے

کسی کا انتخاب کرلیں۔ میں رقعہ لکھے دیتا ہوں۔ میں نے شرقی صاحب کا نام لیا انہوں نے رقعہ لکھ کر لفافے میں بند کیا اور مجھے دیتے ہوئے کہا شرقی صاحب بہت زود گو شاعر ہیں تن آسانی اختیار نہ کرنا۔ میں رقعہ لے کر سیدھا نوائے وقت کے دفتر چلا گیا جہاں وہ کام کرتے تھے۔

شرقی صاحب سے ملاقات کیا ہوئی ساری زندگی کا تعلق استوار ہو گیا۔ بہت نفیس انسان تھے ان کے ہاں زود گوئی کے بے شمار کرشمے دیکھے مگر ثاقب صاحب کی تن آسانی اختیار نہ کرنے والی نصیحت ہمیشہ پیش نظر رہی۔ اس دور میں اکثر طرحی مشاعرے ہوا کرتے تھے تقریباً ہر مشاعرے میں پڑھنا ایک شوق کی حیثیت اختیار کر گیا۔ استادوں کے درمیان نو آموز شعرا کی مشقِ سخن ان کے لیے مہمیز کا کام دیتی۔ اسی مشق نے آگے چل کر بہت سے راستے آسان کیے۔

طفیل ہوشیار پوری کے دفتر میں شرقی صاحب، یزدانی جالندھری، طفیل ہوشیار پوری، ایف ڈی گوہر وغیرہ کی خوب محفل جمتی تھی۔ طفیل صاحب کے پرچے کا نام بھی محفل تھا۔ اساتذہ کے مباحث سننے کے لائق ہوتے تھے۔ اس طرح انار کلی میں احسان دانش صاحب کا دانش کدہ تھا۔ مختلف شعرا کی آمد و رفت رہتی تھی۔ وہاں بیٹھنا بھی ہمارے بہت کام آیا۔ شفیق کوٹی، رشید کامل، اقبال راہی سے وہیں تعارف ہوا۔ شورش کاشمیری بھی کبھی کبھار وہاں آتے تھے۔

اسی طرح نشتر جالندھری صاحب کا حلقہ نشترِ ادب تھا۔ وائی ایم سی اے میں اس کی طرحی نشستیں ہوا کرتیں۔ وہاں بھی باقاعدگی سے شرکت ہوتی۔ ڈاکٹر تبسم رضوانی کا حلقہ بڑا فعال تھا۔ پہلے پرانی انار کلی میں واصف علی واصف کے انگلش کالج میں پھر نیلا گنبد میں الشجر بلڈنگ میں اور پھر ریواز گارڈن میں باقاعدگی سے مشاعرے ہوتے۔ نوح ناروی کے شاگرد ذیبا ناروی کا حلقہ تھا۔ وہ کرشن نگر میں طرحی مشاعرے کرواتے تھے۔ اصغر نثار قریشی کا حلقہ تھا تابکاری روڈ تکیہ املی والا میں (اتنی مدت بعد بھی ایڈریس یاد ہے) ان کے ہاں بھی

طرحی مشاعرے برپا ہوتے تھے۔اسی طرح ڈاکٹر عبدالرشید تبسم کا حلقہ تھا۔وہ ماڈل ٹاؤن میں اکثر طرحی مشاعرے کرواتے تھے۔ہم ہر جگہ پہنچتے تھے۔خالد شفیق،شاہ محمد غوث کی لائبریری میں باقاعدگی سے مشاعرے کرواتے تھے۔ بروقت مشاعرہ شروع کرنے کی روایت صرف وہاں دیکھی۔بعد میں اقبال صلاح الدین کے حلقہ میں گئے تو وہیں کے ہو رہے محبت وخلوص کی فراوانی جتنی وہاں دیکھی کہیں اور نظر نہ آئی۔مخالفین کی تہمت طرازیوں پر مسکرانا بلکہ ہمیشہ ان کے لیے کلمۂ خیر کہنا بس انہیں کا وصف تھا۔نیکی کر کے دریا میں ڈالنے کا مظاہرہ صرف ان کے ہاں دیکھا۔ڈاکٹر صدیق حل،ساقی گجراتی،ریاض راجی،عصمت اللہ زاہد،چوہدری غلام رسول،بشیر حسین ناظم،اشرف پال،عبد الجبار شاکر،غلام مصطفیٰ لبسمل،راجا رسالو،اقبال زخمی،مقصود ناصر چوہدری،سید اسلام شاہ،امین خیال سے میل ملاپ وہیں سے شروع ہوا۔

پنجابی کی طرف آئے تو ان میں دو حلقے معروف تھے ایک میں رؤف شیخ،سلیم کاشر،یونس احقر،منظور وزیر آبادی،اطہر نظامی،معراج دین اختر،ہمایوں پرویز شاہد اور منتظر زریں وغیرہ شامل تھے۔ دوسرے حلقہ میں ڈاکٹر رشید انور،سلطان محمود آشفتہ،سعید جعفری،زاہد نواز،حسین شاد،کنول مشتاق وغیرہ تھے۔اک تیسرا حلقہ مشتاق بٹ کا تھا۔ استاد اللہ دتہ صابر،قمر الدین کامل،اعزاز احمد آذر،تنویر ظہور،خلیفہ نادم عصری وغیرہ اس میں شامل تھے۔ہم ہر حلقے میں آتے جاتے تھے۔نتیجتاً اردو اور پنجابی کے ہر حلقے سے ہمیں بہت پیار ملا۔ہمارا مقصد صرف سیکھنا ہوتا تھا اس لیے ہر سینئر کی عزت کرتے تھے جواب میں ہمیں بھی عزت ملتی تھی۔

استاد دامن کے حجرے میں بھی کبھی کبھار جانا ہوتا۔استاد کے چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں ہوتی تھیں۔ایک دن مجھے پیسے دیکر اردو بازار کی ایک دکان پر بھیجا کہ ''اقبال اور بھرتری ہری'' نامی کتاب لے آؤں۔میں باہر نکلنے لگا تو کہنے لگے اسے کہنا ''کنجرا! مینوں استاد دامن نے گھلیا اے'' خیر میں متعلقہ دکان پر گیا اور کہا کہ مجھے استاد دامن

نے بھیجا ہے اور انہوں نے یہ کتاب منگوائی ہے۔ دکاندار کہنے لگا کہ آپ کو استاد دامن نے نہیں بھیجا۔ مجھے بڑا غصہ آیا میں نے کہا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ مجھے استاد نے نہیں بھیجا۔ بھلا مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے انہوں نے پیسے بھجوائے ہیں میں فی سبیل اللہ تو نہیں مانگ رہا۔ دکاندار کہنے لگا استاد نے جس طرح کہا تھا اسی طرح بولو۔ مجھے معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو استاد نے بھیجا ہے یا نہیں۔ میں جو جلا بھنا بیٹھا تھا میں نے ویسے ہی کہہ دیا۔ ''کنجرا! مینوں استاد دامن نے گھلیا اے'' اس نے قہقہہ لگایا اور کتاب بلا قیمت میرے حوالے کر دی کہ یہ پیار بھری گالی ہی اس کی قیمت ہے۔

اسی طرح عارف عبد المتین، اکبر لاہوری، ڈاکٹر کیپٹن جمال، طفیل دارا، قتیل شفائی نئے لکھنے والوں کی بہت حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اس وقت معاشرے میں تعصب کی ہوائیں بہت کم تھیں۔

ایک حلقہ کا ذکر کرنا بھول گیا، یہ بشیر منذر کا مینار آرٹ پریس تھا جو ایبک روڈ پر تھا۔ وہاں اہل قلم کی بہت ریل پیل رہتی تھی۔ شریف کنجاہی، تنویر سپرا، حفیظ تائب، اقبال ساجد، روحی کنجاہی، ڈاکٹر آفتاب نقوی وغیرہ سے راہ و رسم وہیں شروع ہوئی۔ اب ان میں بہت سے اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں۔

ایک اک کر کے ستاروں کی طرح ٹوٹ گئے
ہائے کیا لوگ مرے حلقۂ احباب میں تھے

اب تو ان یادوں کی باتیں ہی کی جا سکتی ہیں۔ رہے نام اللہ کا!

عبدالکریم قدسی

◆◆◆

# اظہارِ تشکّر

اس کتاب کے اشاعتی سفر میں جس شخصیت نے اہم کردار ادا کیا وہ میرے بہت پیارے دوست اور تقریباً ہم نام مکرم عبدالکریم خالد صاحب ہیں جن کے مشورہ، راہنمائی اور توجہ سے اس کتاب نے اشاعت کے تمام مراحل طے کیے۔ پھر مکرم عطاء العزیز صاحب کا تعاون بھی شاملِ حال رہا۔ اسی طرح میرے دونوں بیٹوں عزیزم عبدالقدیر اور عزیزم عبدالکبیر قمر کی کوششوں نے بھی حصہ ڈالا۔

عبدالکریم قُدسی

خوف کے تیر ہیں رستہ ہے کمانوں جیسا
میرا انجام ہے مخدوش مچانوں جیسا

کس کی ہمت تھی بھلا آ کے بسیرا کرتا
سینہ و دل تھا مرا اُجڑے مکانوں جیسا

زندگی ٹیڑھی لکیروں میں الجھ کر گزری
نقشہ قسمت کا تھا مدفون خزانوں جیسا

گھر کی دیواریں مہاجن کی نظر رکھتی تھیں
گھر کا ماحول تھا مقروض گھرانوں جیسا

کاشت کرتا ہے اُگاتا ہے نئی نت فصلیں
جذبۂ شوق میرا بوڑھے کسانوں جیسا

شعر قدسیؔ کے نیا خون عطا کرتے ہیں
نرم لہجے میں ہے انداز اذانوں جیسا

شہرِ ناپرساں میں ہمسایہ کہاں
دھوپ کی دیوار کا سایہ کہاں

یہ فضا، یہ راستے ناآشنا
میں نے جانا تھا کہاں، آیا کہاں

اشکِ غم ہیں، ہجر، آہیں اور بس
عشق کی دوکاں میں سرمایہ کہاں

اپنی اپنی سرحدوں میں قید سب
پرچمِ فن میں نے لہرایا کہاں

اس چمن کے بے ثمر نکلے شجر
اپنا دامن میں نے پھیلایا کہاں

خشک ہیں دھرتی کے لب قدسی مگر
بادلوں نے پانی برسایا کہاں

زمانے سے گلے شکوے نہیں ہیں
میرے اپنے میرے اپنے نہیں ہیں

جہاں زہرِ تعصّب ہو وہاں پر
حقیقت کے کنول کھلتے نہیں ہیں

عدو سے زندگی کی بھیک مانگیں
ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں

لہو کے، دودھ کے رشتے بہت ہیں
محبت کے مگر رشتے نہیں ہیں

مریض عشق لمبی عمر پائے
مگر آثار تو اچھے نہیں ہیں

مجاور بھی انہیں کیوں یاد رکھیں
کہ جن کی قبر پر کتبے نہیں ہیں

لئے جو دھوپ میں چھاؤں کے قرضے
رتیں گزریں، ابھی اُترے نہیں ہیں

رقم کرتے ہیں جو کاغذ پہ قدسیؔ
حقائق ہیں کوئی قصّے نہیں ہیں

❖

نہ ہم بھکاری ہیں نہ ہم اناج مانگتے ہیں
امیرِ شہر سے بس کام کاج مانگتے ہیں

توقع عدل کی رکھتے ہیں اے ولی عہدو!
نہ کوئی عہدہ نہ ہم تخت و تاج مانگتے ہیں

جنہیں تمیز نہیں ہے زمیں پر چلنے کی
وہ لوگ ہم سے لہو کا خراج مانگتے ہیں

ہم اپنے گاؤں کی گلیوں میں، اپنے کھیتوں میں
تمہارے شہر کے رسم و رواج مانگتے ہیں

نشے میں ڈوبے ہووں کو نہ دیکھو نفرت سے
یہ لوگ وہ ہیں جو اپنا علاج مانگتے ہیں

تعصّبات کی پرچھائیاں نہ ہوں جس میں
ہم اہلِ درد وہ اعلیٰ سماج مانگتے ہیں

سفر ہے دور کا درپیش، پُر خطر قدسیؔ
سو ہم سفر بھی تحمل مزاج مانگتے ہیں

❖

# نذرِ انیس

وداع کے وقت مجھے کیا گلے لگا کے چلے
دلِ غریب پہ آری سی اک چلا کے چلے

دھواں اُٹھے نہ اُٹھے آگ تو لگا کے چلے
جلا کے دل کوئی، معبد کوئی جلا کے چلے

ہمارا گھر بھی جلا اور ہمیں سزا بھی ہوئی
ہمارے عہد کے منصف بھی دل دکھا کے چلے

کھلی فضا میں اسیرانِ راہِ مولا ہیں
چلے قفس کو تو نقشِ قدم مٹا کے چلے

چمن کے قرب سے دامن الجھ گیا پھر بھی
اگرچہ کانٹوں سے دامن بہت بچا کے چلے

انیسؔ کی یہ زمیں ہم کو آسماں سی لگی
سو! اس زمین میں کچھ ہم بھی گنگنا کے چلے

''ملا جنہیں، انہیں افتادگی سے اوج ملا
انہیں نے کھائی ہے ٹھوکر جو سر اٹھا کے چلے''

❖

گرمیاں بھی کب گزرتی ہیں عذابوں کے بغیر
سردیاں یہ بھی گزاریں ہیں جرابوں کے بغیر

سوچتا ہوں اس کا جینا کس طرح ممکن ہوا
زندگی جس نے گزاری ہے کتابوں کے بغیر

خوبصورت فاختاؤں کے ہیں رنگ اپنی جگہ
آسماں سجتا نہیں لیکن عقابوں کے بغیر

داستانِ غم میں زیب داستاں ہوتی نہیں
شعر کہتے ہیں تو کہتے ہیں خضابوں کے بغیر

ہم کو کانٹوں سے کوئی نفرت نہیں قدسی مگر
اس چمن کا کیا کریں جو ہے گلابوں کے بغیر

ظالم گِنے نہ لوٹنے والے گِنے گئے
لیکن ہمارے منہ کے نوالے گِنے گئے

خوبی ہماری گردِ تعصّب میں چھپ گئی
الزام و عیب جتنے اچھالے گِنے گئے

کانٹوں سے ہی الجھتے رہے ہیں تمام عمر
گلشن میں ہم سے پھول نہ لالے گِنے گئے

پتھریلی گو زمینِ سخن تھی بہت مگر
جتنے بھی ہم نے شعر نکالے گِنے گئے

ہم زخمِ روزگار ہی کرتے رہے شمار
ہم سے نہ زندگی کے حوالے گِنے گئے

قدسیؔ تمہارے یاد ہیں احسان ذرا ذرا
لیکن نہ تم سے پاؤں کے چھالے گِنے گئے

ادب کی سوئے ادب کی تمیز رکھتے ہیں
تیرا وقار بہت ہی عزیز رکھتے ہیں

نہ احتیاجِ سکوں ہے نہ بزم و تنہائی
ہم اپنے ساتھ قلم کی کنیز رکھتے ہیں

بڑے سکوں سے گزرتی ہے ہم فقیروں کی
نہ دل میں بات نہ گھر کوئی چیز رکھتے ہیں

غلام ان کی رُتیں کیوں نہ ہوں، پرندے جو
پروں میں باندھ کے موسم گُریز رکھتے ہیں

سوال اور ضرورت کے درمیاں قدسیؔ
ہم اہتمام سے پردہ دبیز رکھتے ہیں

ہم نے عبادتوں کے قرینے سکھا دیئے
تازہ لہو سے صحنِ معابد سجا دیئے

ہمت ہے گر ہوا تو بجھا کر ہمیں دکھا
اپنے لہو سے ہم نے دیئے جو جلا دیئے

قربانیوں کے دور میں ثابت قدم رہے
صبر و رضا سے ظلم کے چھکے چھڑا دیئے

تیشے بغیر، عزم و ہنر کے کمال سے
ہم نے پہاڑ کاٹ کے رستے بنا دیئے

تم سے یوں بے رُخی کی توقع نہ تھی مجھے
تم نے تو ایک پل میں زمانے بھلا دیئے

قدسیؔ ہو جس کو شوق وہ کرتا پھرے تلاش
ہم نے تو کاغذوں میں خزانے چھپا دیئے

ہر کسی سے پرے پرے رہنا
سہمے سہمے ڈرے ڈرے رہنا

تم نے کیا روگ پال رکھے ہیں
جب بھی دیکھو مرے مرے رہنا

سانحہ کیا ہوا دسمبر میں
جون میں بھی ٹھرے ٹھرے رہنا

خالی کر دے نہ میری آنکھوں کو
آنسوؤں کا بھرے بھرے رہنا

دوستی رکھنا حکمرانوں سے
اور بظاہر کھرے کھرے رہنا

لکھے ہونا خزاں مقدر میں
پھر بھی قدسیؔ ہرے ہرے رہنا

زمیں پہ زندگی بھی آسماں سے آتی ہے
ہوا بہار کی شہرِ خزاں سے آتی ہے

یہ روشنی کی پری سی جو اڑتی پھرتی ہے
مرے مکان میں اس کے مکاں سے آتی ہے

اے یادِ دوستاں! کیا تجھ کو ڈر نہیں لگتا
تو آدھی رات کو کیسے کہاں سے آتی ہے

سفر میں رہنا نہ شکوہ گلہ کوئی کرنا
یہ مشقِ ظرف تو آبِ رواں سے آتی ہے

تلاشِ عیب کی خاطر ہی وہ پڑھیں گے ہمیں
نفع کی بات بھی کارِ زیاں سے آتی ہے

لہو کا رشتہ ہو یا دودھ کا مگر قدسیؔ
کہاں وہ رشتے کی خوشبو جو ماں سے آتی ہے

ہم ہیں تعصّبات کے قیدی بنے ہوئے
سورج ہوں جیسے رات کے قیدی بنے ہوئے

لوگوں نے مل کے وقت کو تسخیر کر لیا
اور ہم ہیں ذات پات کے قیدی بنے ہوئے

کچھ نے حقیقتوں کے ستارے بنا لیے
کچھ ہیں تصورات کے قیدی بنے ہوئے

غیروں نے پانیوں پہ بھی قبضہ جما لیا
ہم دوریٔ فرات کے قیدی بنے ہوئے

لوگوں نے پائیں کب سے کفالت کی منزلیں
اور ہم درآمدات کے قیدی بنے ہوئے

اک دوسرے کے حال سے واقف نہیں کوئی
سب اپنی اپنی ذات کے قیدی بنے ہوئے

ارشاد کر رہے ہیں تیری بزم میں سبھی
قدسؔی گزارشات کے قیدی بنے ہوئے

❖

جہاں بھی عدل کی پگڑی کوئی اچھالے گا
یہ وقت اس کی رعونت پہ خاک ڈالے گا

مرا ہی فائدہ ہے اس کا ہم سفر ہونا
میں گر پڑا تو مجھے بڑھ کے وہ سنبھالے گا

زرِ سکوں سے مجھے مالا مال کر دے گا
وہ اپنی باہوں کے کمبل میں جب چھپا لے گا

مرا سفر ہے محبت کے دائرے کا سفر
جہاں بھی جاؤں گا وہ شخص مجھ کو آ لے گا

میں لڑ رہا ہوں زمانے کی سرد مہری سے
زمانہ کب تلک وعدوں پہ مجھ کو ٹالے گا

مجھے کسی کی دعاؤں پہ ہے یقیں ایسا
اگر میں ڈوبا تو دریا مجھے اچھالے گا

صعوبتوں سے نبرد آزما رہو قدسیؔ
خدا ضرور کوئی راستہ نکالے گا

❖

جو قلمکار ہے لکھاری ہے
موسمِ ہجر اس پہ بھاری ہے

مفلسی کو بُرا بھلا نہ کہو
اس سے اپنی عزیز داری ہے

دھوپ کیسی بھی تھی، مگر ہم نے
سر سے پگڑی نہیں اتاری ہے

گھر میں رہ کر سفر میں رہتا ہوں
یہ سفر مدتوں سے جاری ہے

میری جاں کی نہ فکر کر پیارے
مجھ کو تو تیری جان پیاری ہے

صرف میں جانتا ہوں تیرے بعد
ایک اک لمحہ کتنا بھاری ہے

گلستاں چھوڑنا شکست نہیں
اب بھی کانٹوں سے جنگ جاری ہے

اوڑھ کر تیری یاد کی چادر
رات، دن کی تھکن اتاری ہے

کیا بتائیں کسی کو ہم قدسیؔ
زندگی جس طرح گزاری ہے

❖

جس نے در دوسرا نہیں دیکھا
اس کو بے دست و پا نہیں دیکھا

ہم غریبوں سے پیار کی باتیں
تجھ سا فرماں روا نہیں دیکھا

جس گلی میں سخی کا ڈیرا ہے
اس گلی میں گدا نہیں دیکھا

راستہ دل کی راہ سے بڑھ کر
اتنا آراستہ نہیں دیکھا

منفرد تھی مہک مرے گل کی
تو نے بادِ صبا نہیں دیکھا

شاخ جو بھی شجر سے ٹوٹ گئی
اس کو پھر سے ہرا نہیں دیکھا

رابطہ جس کا اس کے ساتھ ہوا
اس کو بے آسرا نہیں دیکھا

شہر کی بھیڑ میں کہیں لوگو
قدسیؔ بے نوا نہیں دیکھا

❖

اگرچہ خشک ہیں اور ختم ہونے والے ہیں
یہ کم نہیں کہ میسر ابھی نوالے ہیں

ہو چاہے فاقہ کشی، خودکشی حرام لکھی
مرے نصیب نے کیا راستے نکالے ہیں

ہماری خوبیوں پہ عیب کا خضاب کیا
پھر اس کے تذکرے بازار میں اچھالے ہیں

کسی کے ہاتھ لگیں تو سنبھال کر رکھنا
یہ شعر زندگی کے قیمتی حوالے ہیں

مجھے یہ لگتا ہے اب گر پڑیں گے پلکوں سے
جو آنسو میں نے بڑی دیر تک سنبھالے ہیں

مجھے عزیز ہیں تیری طرح تیرے غم بھی
یہ غم تو میں نے بڑی مشکلوں سے پالے ہیں

نگاہ تم سے بھی کچھ تیز تھی کبھی قدسیؔ
نظر میں اب تو غمِ عاشقی کے جالے ہیں

❖

لبوں کی پیاس کو آرام بھی نہیں آتا
ہماری سمت کوئی جام بھی نہیں آتا

لکھے گا کیا مرے کردار پر، مرے فن پر
وہ جس کو پورا مرا نام بھی نہیں آتا

امید کیا کسی مہمان خوبصورت کی
ادھر تو کوئی سیاہ فام بھی نہیں آتا

کریں گے کیا جو لگی گالیوں پہ پابندی
انہیں تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا°

وہ شخص قدسیؔ نہیں دشمنی کے قابل بھی
اسے تو ڈھنگ کا الزام بھی نہیں آتا

° غلام محمد قاصرؔ کا مصرعہ تبدیلی کے ساتھ

نت نیا کوئی فسانہ ہی گھڑا کرتے تھے
ہم ترے ساتھ بہانے سے لڑا کرتے تھے

مکتبِ عشق میں پوچھا گیا جب کوئی سوال
سب سے پہلے تو ہمیں ہاتھ کھڑا کرتے تھے

آج میں ترکِ تعلق پہ بضد ہوں اگر
بات بے بات پہ تم بھی تو اَڑا کرتے تھے

ساتھ چلتے تھے ترے اور اکڑ کر اکثر
اپنی دانست میں قد اپنا بڑا کرتے تھے

خط بہت پیار سے لکھتے تھے تجھے اور اس میں
جا بجا شعر کے موتی بھی جڑا کرتے تھے

آج قدسیؔ ترے لہجے میں بہت تلخی ہے
تیرے منہ سے تو کبھی پھول جھڑا کرتے تھے

# نذرِ میرؔ

دل کی بستی میں ترے بعد کوئی آیا نہ گیا
غم یہ ایسا تھا کسی طور چھپایا نہ گیا

اصل زر دے بھی چکے اشکِ رواں کی صورت
ہائے اس غم کے مہاجن کا بقایا نہ گیا

اس محبت سے گلے اس نے لگایا مجھ کو
پھر کسی اور کو سینے سے لگایا نہ گیا

قرض خواہوں کے تقاضوں نے نہ چھوڑا دامن
اس بلا کا تو اندھیرے میں بھی سایہ نہ گیا

تھا قرینہ بھی، سلیقہ بھی، مگر بعد اس کے
دردِ دل اور کسی کو بھی سنایا نہ گیا

دل کی انگلی سے لکھا ریت پہ جو پہلے پہل
نام وہ گردشِ دوراں سے مٹایا نہ گیا

جس دیئے کو بھی لہو دے کے جلایا قدسیؔ
آندھیوں سے وہ کسی طور بجھایا نہ گیا

"شہرِ دل آہ! عجب جائے تھی پر اس کے گئے
ایسا اجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا"

❖

لہو کو مہندی سمجھنے والے حنا پہ تہمت لگا رہے ہیں
جفا کی بستی میں بسنے والے وفا پہ تہمت لگا رہے ہیں

بہار نے جن کی پرورش کی، بہار نے جن کو زندگی دی
وہ پھول برباد ہو کے بادِ صبا پہ تہمت لگا رہے ہیں

چمن کی رونق اجڑ گئی ہے چمن کی تقدیر ہی یہی تھی
یہ سر پھرے لوگ یونہی آب و ہوا پہ تہمت لگا رہے ہیں

کیا نہیں قتل اس نے مجھ کو یہ خودکشی مجھ سے ہو گئی ہے
یہ خوں کے دھبّے مری جبینِ وفا پہ تہمت لگا رہے ہیں

دکھائی ہے غم کی راہ دل نے کیا ہے ہم سے نباہ غم نے
خوشی کے لمحات کیوں غمِ دیرپا پہ تہمت لگا رہے ہیں

یہ کیا ستم ہے نوشتۂ بخت پر نہیں اعتقاد باقی
یہ کیا ستم ہے خدا کے بندے خدا پہ تہمت لگا رہے ہیں

جنہوں نے دیکھا نہیں ہے مقتل میں رقصِ بسمل کے بانکپن کو
وہ لوگ قدسیؔ ہماری شانِ وفا پہ تہمت لگا رہے ہیں

❖

نہ اہل زر کا نہ زر ہی کا میں غلام رہا
مری نگاہ میں خود اپنا احترام رہا

ہزاروں بستیاں سیلاب میں بہیں، پھر بھی
زمانہ محوِ تماشائے حسنِ بام رہا

کسی غریب کا گھر اس سے کب ہوا روشن
چراغِ شام کہاں اب چراغِ شام رہا

جو تمکنت تھی ملی ہے وہ مہ جبینوں کو
مرا نصیب فقط سجدہ و سلام رہا

خدا سے مانگی ہے رحمت کی بھیک بھی لیکن
بشر کے ظرف میں اک زہرِ انتقام رہا

حرام مَے کو سمجھتا ہے آج کل زاہد
ہمارے ساتھ جو برسوں شریکِ جام رہا

تمہارے ذوقِ سماعت پر طنز ہے یہ بھی
کہ میرا نغمہ تو پتھر سے ہم کلام رہا

جنہیں سلیقۂ بادہ کشی نہیں قدسؔی
انہیں کے سامنے محفل میں دورِ جام رہا

❖

سوال کر نہ سکے گو رہے سوالی سے
نپٹ سکے نہ معیشت کی خشک سالی سے

لگا کہ کاسۂ امید ہو گیا لبریز
تمہاری بزم میں آئے تھے خالی خالی سے

چمن سے گزرے تو اکثر لپٹ گئے اس سے
عجیب رشتۂ خاطر ہے خشک ڈالی سے

میں جس سے روٹھا ہوں اس کو کوئی کہے جا کر
منائے ہم کو بس اک چائے کی پیالی سے

گُلوں کے شوق میں الجھے نہیں ہیں کانٹوں سے
اگرچہ ہم تھے لڑکپن میں لاابالی سے

کبھی تو ٹھہریں گے ہم مستحق توجہ کے
کبھی تو نکلیں گے قدسیؔ شکستہ حالی سے

گو میرے احساس کا برباد شیرازہ ہوا
دوستوں کی دوستی کا کچھ تو اندازہ ہوا

ہر قدم پر، ہر روش پر، میرا جسمِ ناتواں
ٹھوکریں کھا کر زمانے کی تر و تازہ ہوا

مجھ سے پہلے ہر کس و ناکس کو اذنِ عام تھا
میں جو پہنچا، میکدے کا بند دروازہ ہوا

خاک کے ذروں سے میں چنتا رہا ماہ و نجوم
میرا سایہ، سایۂ حالات کا غازہ ہوا

وہ اچانک مل گئے قدسیؔ تو لوٹ آئی حیات
زندگی بھر زندگی کا صرف اندازہ ہوا

یہ جھوٹ ہے میں ان سے محبت نہیں کرتا
اظہار کی لیکن کبھی جرأت نہیں کرتا

سنگِ درِ جاناں میں جبیں جذب ہوئی ہے
اس ڈھب سے تو کوئی بھی عبادت نہیں کرتا

انصافِ زمانہ کی مجھے دیجئے اجازت
میں وہ ہوں کہ اپنی بھی حمایت نہیں کرتا

پوچھو کسی وحشی سے گریباں کی کہانی
ہر شخص تو اندازۂ وحشت نہیں کرتا

محفوظ نہیں کوئی ترے دستِ ستم سے
وہ کون ہے جو تیری شکایت نہیں کرتا

غم کس کا ملا ہے کہ مرا دل کئی دن سے
محسوس کسی غم کی ضرورت نہیں کرتا

اک میں ہوں کہ انکارِ محبت نہیں مجھ کو
اک وہ ہے کہ اقرارِ محبت نہیں کرتا

ناصح کی نگاہوں نے انہیں دیکھ لیا ہے
اب وہ بھی مجھے آ کے نصیحت نہیں کرتا

اس پستیِ کردار پہ ہنستے ہیں فرشتے
انسان جب انسان کی عزت نہیں کرتا

مل جائیں مقدر سے اگر دونوں جہاں بھی
دل کیا ہے کہ اس پر بھی قناعت نہیں کرتا

تم اپنے خیالات مجھے سونپ کے دیکھو
ہر شخص امانت میں خیانت نہیں کرتا

آدابِ محبت کا مجھے پاس ہے قدسیؔ
باغی ہوں مگر پھر بھی بغاوت نہیں کرتا

❖

پھول سے بھی بہل کے دیکھ کبھی
یہ شرارہ نگل کے دیکھ کبھی

ذات ہی کو نہ کائنات سمجھ
ان حدوں سے نکل کے دیکھ کبھی

یوں بھروسا نہ کر سہاروں پر
بے سہارا بھی چل کے دیکھ کبھی

میں چراغِ وفا کا خالق ہوں
تو مرے ساتھ چل کے دیکھ کبھی

تجھ کو شہرت ملے زمانے میں
میری شہرت سے جل کے دیکھ کبھی

رات کی سلطنت کا باغی بن
صورتِ شمع جل کے دیکھ کبھی

گو ہے افتاد تیری قسمت میں
گرتے گرتے سنبھل کے دیکھ کبھی

گمرہی کی شکائتیں کیسی
راستوں کو بدل کے دیکھ کبھی

عاجزی سیکھنا جو ہو قدسؔی
صورتِ شاخ پھل کے دیکھ کبھی

❖

یادِ شبِ سکوت ہے آباد ان دنوں
کرتے تو ہوں گے وہ بھی ہمیں یاد ان دنوں

قیدِ قفس میں دولتِ تنہائی بخش دی
ہم کو بہت عزیز ہے صیّاد ان دنوں

اپنے کیے پہ آج پشیمان ہے بہت
کشتی سے دور، نوحؑ کی اولاد ان دنوں

ویران مقبروں کا وقار اور بڑھ گیا
ہر بزم کی ہیں رونقیں برباد ان دنوں

پتھر کوئی نہ جادۂ منزل کا کٹ سکا
کند ہو گیا ہے تیشۂ فرہاد ان دنوں

تیری گلی کے راستے آباد ہو گئے
سونی پڑی ہے بزم کی روداد ان دنوں

کم اور قدسیؔ چشمِ عنایت سے ہو گئی
دامانِ تار تار کی میعاد ان دنوں

❖

لہو اپنا بہا کر وقت کو تسخیر کرتا جا
ارادوں کے نشیمن اس طرح تعمیر کرتا جا

زمانے کی نظر سے گمرہی کی دھند چھٹ جائے
ہر اک سرکش کو تو شائستۂ تقدیر کرتا جا

تخیل کو عطا کر کے حسیں یادوں کا سرمایہ
مرے مفلس تخیل کی اسے جاگیر کرتا جا

مرے دل کا ورق اچھا ہے سادہ ہی رہے لیکن
مرے دل کے ورق پر کچھ نہ کچھ تحریر کرتا جا

تو آ! اور تشنگیِ دید کے احساس کو ڈس لے
میرے گم گشتہ خوابوں کی کوئی تعبیر کرتا جا

ضمیر و ذہن و دل کے مشورے سے ڈھونڈ حرفوں کو
قلم کی نوک کو ہم رتبۂ شمشیر کرتا جا

اندھیروں کی جفا کاری کے تخمینے لگا قدسیؔ
اندھیری راہ میں پیدا کوئی تنویر کرتا جا

❖

بے برگ و بار، خشک، فسردہ، کرخت ہے
یہ میری آرزو کے چمن کا درخت ہے

یہ غم کی چوٹیاں یہ چٹانیں جمود کی
بندہ نواز یہ میری تصویرِ بخت ہے

تاجِ وفا ملا ہے ہر اک سرفروش کو
تختہ جو دار کا ہے محبت کا تخت ہے

یہ کائنات میری یہ میری حیات ہے
سب کچھ میرے لئے یہ دلِ لخت لخت ہے

اندازِ گفتگو پہ نہیں مجھ کو اعتراض
لہجہ جو اختیار کیا تم نے سخت ہے

کس آسرے پر مجھ کو ملے منزلِ مراد
سوزِ سفر ہے دل میں نہ احساسِ رخت ہے

کہتے ہیں تاجدارِ سخن نکتہ داں مگر
قدسؔی ترے دیار میں بے تاج و تخت ہے

❖

سرفروشوں کو تو ڈر لگتا نہیں گرداب سے
ڈوبنے والے گلے ملتے رہے سیلاب سے

جس قدر بھی تھے سنہری حرف میرے نام کے
مٹ گئے پچھلے برس تاریخ کے ہر باب سے

جاگتا ہے شہر اور چہرے نظر آتے نہیں
کھڑکیاں ہیں ادھ کھلی، دروازے ہیں بے خواب سے

ناخنِ تدبیر سے کر لی ہے تسخیرِ خلا
اب جدا کر کے دکھاؤ داغ کو مہتاب سے

میں نے اندر سے انہیں بنجر ہی پایا دوستو
دیکھنے میں جو نظر آئے مجھے شاداب سے

نقش پانی پر کسی کا نام ہو سکتا نہیں
چھین لیتی ہے ہوا سب عکس سطحِ آب سے

چرخ نے سورج سے کی ہے دوستو کچھ ساز باز
روٹھ سکتے ہیں ستارے بھی کبھی مہتاب سے

تو بھی دل کے پنجرے سے شک کے پنچھی کو نکال
ذہن کو میں بھی نکالوں وسوسوں کے باب سے

ناشنیدہ سے ہیں کچھ نغمے ربابِ روح میں
چھیڑیئے اک روز اس کو درد کے مضراب سے

ہر کسی کے ہاتھ میں پتھر نظر آیا مجھے
آئینے پہنے ہوئے نکلا جو آب و تاب سے

شورِ محشر بن گیا قدسی سکوتِ مستقل
دیکھئے کب جاگتے ہیں لوگ گہرے خواب سے

سجدۂ اخلاص کی عزت لٹا سکتا نہیں
میں کسی پتھر کے آگے سر جھکا سکتا نہیں

وجہ تخریبِ تمنا کچھ نہ کچھ ہو گی ضرور
اپنے گھر پر خود کوئی بجلی گرا سکتا نہیں

جن سے وابستہ ہو تیرے عارضِ رنگیں کی بات
ایسے غنچوں پر کوئی پہرے بٹھا سکتا نہیں

اب کسی کی غم گساری کا بھروسا کیوں کروں
اب کسی دیوار کو محرم بنا سکتا نہیں

داورِ محشر ہے تجھ پر غیب کی ہر شے شہود
میں جفا کاروں کے تخمینے لگا سکتا نہیں

کر لئے تسخیر میری فکر نے ظلمت کدے
اب کوئی دامن سے شمع دل بجھا سکتا نہیں

میں ہوں قدسیؔ انقلاب گلستاں کی داستاں
میں تمہاری بزم میں نغمے سنا سکتا نہیں

❖

افسانۂ حیات کے عنوان لٹ گئے
انسان ہی کے ہاتھ سے انسان لٹ گئے

جو میکدے میں شعلہ و شبنم بہم ہوئے
میرے شعور و فکر کے اوسان لٹ گئے

یہ بھی تو تیرے دستِ مروّت کی شان ہے
گھر میں ترے جو آئے تھے مہمان لٹ گئے

اچھا تھا چاکِ داماں جو پھرتے گلی گلی
گوشہ نشیں ہوئے تو گریبان لٹ گئے

آئے تھے کیا وہ زلفِ پریشاں لئے ہوئے
ایمان کی نہ پوچھئے ایمان لٹ گئے

کل رات میکدے میں تمہاری نگاہِ ناز
ایسی اٹھی کہ جھومتے طوفان لٹ گئے

بادِ نسیم. اب کے برس اس طرح چلی
قدسیؔ بھری بہار میں ارمان لٹ گئے

❖

فروزاں یوں کرو دل کی کرن کو
خدا کے ساتھ رکھو اہرمن کو

میرا شوقِ مسافت بھی عجب ہے
کہ خاطر میں نہیں لاتا تھکن کو

میں اپنے غمزدہ دل کی کہانی
سنا لیتا ہوں اربابِ محن کو

چمن میں ایک سناٹا ہے طاری
الٰہی کیا ہوا اہلِ چمن کو

مری بربادیاں اس سے ہیں قائم
"خدا آباد رکھے انجمن کو"

قلم کی آبرو رکھ لی ہے میں نے
جلا کر اک چراغِ فکر و فن کو

فریبِ راہ مجھ پر کھل گیا ہے
دعائیں دے رہا ہوں راہزن کو

حقائق سوتے سوتے کھو نہ جائیں
جگا ہنگامۂ دار و رسن کو

میں وہ معصوم مجرم ہوں ادب کا
مقدس جانتا ہوں جرمِ فن کو

میرا دشمن میرا سایہ ہے قدسیؔ
نگلتا جا رہا ہے میرے تن کو

❖

کانپتی دھرتی تلوّن خیز موسم سال کا
کیا بھروسا کیجئے گا پائے استقلال کا

ناخنِ زر کی ہے زد میں پیکرِ انسانیت
منہ چڑایا جا رہا ہے آج استقبال کا

نفسا نفسی کی فضا میں، غرض کے ماحول میں
رنگ پھیکا پڑ گیا ہے عظمت و اجلال کا

وقت بتلائے گا کن ذہنوں کی پیداوار ہے
زنگ آلودہ ستارہ قوم کے اقبال کا

سر چھپا لیتے ہیں فتنے گردِ راہِ حسن میں
حادثہ کتنا حسیں ہوتا ہے تیری چال کا

برگِ گل ہاتھوں میں بجتی ہیں سنہری چوڑیاں
دستِ فولادی کی زیبائش ہے زیور ڈھال کا

اس کی خوش بختی کو قدسیؔ کھا گئی کس کی نظر
کس قدر مینار اونچا تھا میرے اعمال کا

❖

بے قراری کو بنایا جب قرارِ زندگی
ہو گیا مجروح احساسِ وقارِ زندگی

تیری آنکھوں میں کبھی شوقِ خریداری نہ تھا
کس طرح لُوٹا گیا تجھ سے خمارِ زندگی

اپنے روز و شب میں جھانکا تو مجھے ایسے لگا
جیسے ویرانوں کا پَرتو ہے دیارِ زندگی

کٹ کے دھرتی سے کبھی آباد ہوگی جو بہار
خاک ہو گی دوستو! وہ بھی بہارِ زندگی

جب نظر بازار کی جانب اٹھی تڑپا شعور
میرے محسوسات ہیں میرا مزارِ زندگی

مسکرا کر موت میرے پاس سے گزری ہے آج
کس طرح ٹوٹے گا اب قدسیؔ حصارِ زندگی

مرحلے ہستی کے آسانی سے طے ہوتے گئے
حادثے اک راہ کی منسوب شے ہوتے گئے

جرائتوں نے ہم کو سکھلایا ہے جینے کا جنوں
معرکے صبر و رضا کے جامِ مے ہوتے گئے

کچھ خبر بھی ہے تجھے تیری نگاہِ مست سے
کتنے پیاسے رہ گئے مستانے کے ہوتے گئے

میری آہوں پر بہانوں کا گماں ہوتا رہا
ساز کے نغمات اک پُرسوز لَے ہوتے گئے

اجلے اجلے لوگ تھے لیکن اندھیرا تھا چلن
واقعے اک شام ایسے پے بہ پے ہوتے گئے

قوم قدسی عالم پستی میں وہ گرتی گئی
رہنما جس کے رہینِ چنگ و مے ہوتے گئے

عجب غموں سے پڑا واسطہ زمانے میں
سکونِ دل نہ ملا مجھ کو مسکرانے میں

ابھی نہ چھیڑ خوشی کے طرب فزا قصے
ابھی تو سوگ کا عالم ہے ہر گھرانے میں

جنم لیا ہے کئی رنگ کے فسانوں نے
عجیب بات تھی اس کے نظر ملانے میں

یہ راہرو تو فقط برف کے پجاری تھے
یہ کس نے آگ جلائی ہے شامیانے میں

زمانے بھر کی مروّت نے ڈس لیا ہے مجھے
ملا نہ کوئی بھی درد آشنا زمانے میں

نہیں ہے برق تو جگنو کو ہی صدا دینا
کوئی چراغ نہیں میرے آشیانے میں

منافقت کے تقاضے یہ مصلحت بنی
نہیں ہے ذکر کسی کا میرے فسانے میں

ہوا کچھ ایسی چلی ہے کہ پارساؤں کو
پناہ لینا پڑی آ کے بادہ خانے میں

ابھی تو دل کی تمنا زباں تک آئی ہے
ذرا سی دیر تو ٹھہرو غریب خانے میں

قدم قدم پہ مجھے ٹھوکروں نے بتلایا
بڑے فریب ہیں قدسؔی نئے زمانے میں

❖

کس کے گیسو سامنے لہرا گئے
صبح کے آثار بھی پتھرا گئے

ان گنت غم سینکڑوں محرومیاں
بیٹھے بیٹھے آپ کیا یاد آ گئے

احتراماً میں نے آنکھیں بند کیں
اتفاقاً سامنے وہ آ گئے

دے گئے کچھ زخم تازہ پھر مجھے
دوست آئے تھے کرم فرما گئے

کس قدر ویران ہے دشتِ حیات
خواہشوں کے پھول بھی مرجھا گئے

مختصر ہے اپنی رودادِ سفر
آتے آتے تیرے در تک آ گئے

دور پیچھے رہ گئے دیر و حرم
چلتے چلتے ہم کہاں تک آ گئے

رند تھے قدسیؔ عجب انداز کے
موج میں آئے تو مے چھلکا گئے

❖

کرچیوں میں بٹ گیا چہرہ نما ہونے کے بعد
ٹوٹ کر بکھرا جو اپنا آئینہ ہونے کے بعد

صبح کی پہلی کرن سے راکھ ہو کر رہ گئی
آب جُو کے جسم سے کائی جدا ہونے کے بعد

وہ پرندہ جس کی قسمت میں ہی بال و پر نہیں
کیا کرے گا دل کے پنجرے سے رہا ہونے کے بعد

قید سے نکلی تو پھر سورج کی زد میں آ گئی
پھول سی اک شکل پتھر سے رہا ہونے کے بعد

تھک کے جب بیٹھا تو میرا جسم ہی لَو دے اٹھا
میرے ہی سائے نے جھلسایا گھنا ہونے کے بعد

رو رہا تھا اپنی عفّت کی حفاظت کے لئے
گلستاں میں پھول کانٹے سے جدا ہونے کے بعد

سینچتا ہے جس کو تو قدسیؔ لہو سے رات دن
تلخ پھل لائے گا وہ پودا ہرا ہونے کے بعد

❖

وہ آج کیا قریب سے ہو کر گزر گئی
جھولی گئے دنوں کی تمنا سے بھر گئی

وہ تھے تو میرے گھر میں چراغاں کا تھا سماں
وہ کیا گئے کہ رونقِ دیوار و در گئی

اب ہو رہا ہے صبح کی آمد کا انتظار
آباد شب کدوں کی جوانی کدھر گئی

وہ آ گئے تو ایسے اجالے برس پڑے
جیسے غبارِ وقت کی مالا بکھر گئی

تنہائی ڈس رہی تھی بھری بزم میں مجھے
ایسے میں تیری یاد بھی کیا کام کر گئی

کیا شوقِ اہتمام تھا کیا ذوقِ انتظار
میری نگاہ مجھ سے بھی کچھ پیشتر گئی

آج اس کی چال قدسی قیامت کی چال تھی
میرے چمن کی اور بھی رنگت نکھر گئی

❖

جو بھی قطرہ تیرے جام سے بچ گیا
میرے احساس کی پیاس میں رچ گیا

پھول، شبنم، شفق، دودھیا چاندنی
ہر کوئی حسن کے جسم پر جچ گیا

اس طرح ہم گئے گلستاں چھوڑ کر
جھوٹ کی بزم سے جس طرح سچ گیا

ان کی دہلیز پر پارسا جھک گئے
مجھ کو حیرت ہے میں کس طرح بچ گیا

ان کی آمد بھی قدسیؔ قیامت سی تھی
وہ گئے بھی تو اک شور سا مچ گیا

نہیں کہ مجھ پہ مظالم کا کچھ اثر نہ ہوا
غمِ حیات سے لیکن میں باخبر نہ ہوا

تمام عمر کڑی دھوپ ہی میں سلگا ہوں
مرا خیال ستاروں کی رہگزر نہ ہوا

اُدھر اُدھر نظر آئی ہے تیرگی ہم کو
تری نظر کا اشارہ جِدھر جِدھر نہ ہوا

اُسی کو دشت و بیاباں سلام کہتے ہیں
جو مصلحت کے بگولوں کا ہم سفر نہ ہوا

مجھے نہ آیا پہننا منافقت کا لباس
میں دوستوں کی نگاہوں میں معتبر نہ ہوا

اصولِ فطرتِ شہرت ہے پر، کوئی قدسیؔ
بغیر جہدِ مسلسل کے نامور نہ ہوا

جواں رہرووں کی جبینوں پہ دیکھو غضب کا تزلزل عیاں ہو رہا ہے
بگولوں کو کیسے خبر ہو گئی ہے لٹا کارواں پھر رواں ہو رہا ہے

تیرے ہاتھ کے پتھروں نے جبیں کو لہو کی سلامی کا اعزاز بخشا
مگر میری وحشت بھی کیا ہے کہ اس کو جفا پر وفا کا گماں ہو رہا ہے

زمانہ جو بدلا تو لٹنے لٹانے کا احساس بھی کچھ بدل سا گیا ہے
کہ اب لوٹنے اور لٹانے کا قصہ میرے صبر کا امتحاں ہو رہا ہے

تمہارا تصور تو نازک خیالی کی ساری حدیں توڑتا جا رہا ہے
نسیمِ سحر کا گل انداز جھونکا طبیعت پر بارِ گراں ہو رہا ہے

تجھے ملنے سے پہلے جانِ تمنا کبھی فاصلوں پر نگاہیں نہ ٹھہریں
کہ میں جس قدر تیز اڑتا ہوں اتنا ہی دور اب میرا آشیاں ہو رہا ہے

تیری یاد کی اک کرن میرے دل کی امیدوں میں یوں پرورش پا رہی ہے
کہ جیسے فضا میں فرشتوں کے پہلو میں معصوم جھونکا جواں ہو رہا ہے

میں قدسی ملاقات ہی کے تصور سے خوش ہو رہا ہوں مگر ایک دل ہے
کہ کم بخت پردوں میں لپٹا ہوا بھی گرفتارِ وہم وگماں ہو رہا ہے

❖

تدبیرِ نو ہے آہ کی تاثیر بن گئی
سرخی لہو کی پھیل کر تصویر بن گئی

کوئی مرض نہیں ہے زمانے میں لا دوا
اٹھی دعا جو دل سے تو اکسیر بن گئی

ہر بات جن کی شاملِ آدابِ بزم تھی
ہر بات ان کے پاؤں کی زنجیر بن گئی

میرا نہ مصلحت سے کبھی ہو سکا نباہ
قسمت بھی میری شاکیِ تقدیر بن گئی

لے کر چراغ ہاتھ میں ہر شخص چل پڑا
ظلمت کی رات صبح کی تعبیر بن گئی

چلنے لگی ہے تیز پھر سے ایشیا کی نبض
دیوارِ چین وقت کی تحریر بن گئی

مجبوریوں کے دور میں اک شخص کی زباں
محنت کشوں کے ذہن کی تفسیر بن گئی

قدسی چلا ہے قافلۂ دل کچھ اس طرح
فکرِ حیات وادیٔ تنویر بن گئی

❖

عزت و ناموسِ انساں چار سو بے آبرو
میکدہ و ساقی و جام و سُبو بے آبرو

پتا پتا بوٹا بوٹا بن گیا تصویرِ غم
شہر یاروں نے جو کی ہے گفتگو بے آبرو

دخترِ بنگال کلکتہ کے بازاروں میں تھی
برہنہ ملواڑیوں کے روبرو بے آبرو

کیوں نہ دہرائے گی پھر تاریخ اپنے آپ کو
ہو نہیں سکتا شہیدوں کا لہو بے آبرو

اے بہاری! ○ اے محبانِ وطن کی آبرو
میں یہاں لاہور میں ڈھاکہ میں تو بے آبرو

رہ گئی حبِّ وطن قدسیؔ برائے یرغمال
ہو گئی انسانیت کی آبرو بے آبرو

○ سقوطِ ڈھاکہ کے موقع پر لکھی گئی

جذبات کا خوں جیسے کہ چہرے پر ملے ہیں
مے خوار تیری بزم سے یوں اٹھ کے چلے ہیں

پھولوں کی تمنا میں شراروں کو چھوا ہے
اس شوق میں سو بار میرے ہاتھ جلے ہیں

کلیوں کے تبسم پر گماں ہوتا ہے تیرا
غنچے بھی تیرے حسن کے سانچے میں ڈھلے ہیں

توفیق نہیں عرضِ تمنا کی زباں کو
گھبرائے ہوئے شہرِ تمنا کو چلے ہیں

پھولوں کی طرح بادِ صبا کے نہیں ممنون
ہم اپنی امیدوں کا لہو پی کے پلے ہیں

قدسیؔ پہ ہی کیوں دستِ ستم مشقِ ستم ہے
جب اور بھی محفل میں گریباں ہیں گلے ہیں

یہ درد تیری عطا ہے تو کوئی بات نہیں
''یہی وفا کا صلہ ہے تو کوئی بات نہیں''

یہی بہت ہے لگائی تھی تیرے ہاتھوں نے
ہمارا گھر بھی جلا ہے تو کوئی بات نہیں

کسی کے دستِ جنوں نے بنامِ مے خانہ
سُبو میں زہر بھرا ہے تو کوئی بات نہیں

فنا کا حرف تو سیکھا نہیں کبھی ہم نے
پہاڑ سر پر گرا ہے تو کوئی بات نہیں

ادائے چشمِ عنایت سدا رہے ساقی
زمانہ مجھ سے خفا ہے تو کوئی بات نہیں

دل و نگاہ کے انداز بگڑے بگڑے ہیں
حرم میں حشر بپا ہے تو کوئی بات نہیں

تمہیں نے حوصلہ بخشا تھا زندگانی کو
تمہیں نے درد دیا ہے تو کوئی بات نہیں

ہر ایک حال میں ہم تو نباہ کر لیں گے
اگر ستم بھی روا ہے تو کوئی بات نہیں

جبیں جبیں میں ہو ذوقِ سجود اے قدسیؔ
ہر ایک شخص خدا ہے تو کوئی بات نہیں

اک بار گر کے اٹھ سکیں اتنا بھی دم نہیں
تیری گلی کے راستے مقتل سے کم نہیں

دنیا میں رسمِ دار ہے اس بات کی گواہ
گردن یہاں کٹی ہے مگر سر تو خم نہیں

ہر شخص میکدے کے حریصوں میں ہو شمار
ماحول اس قدر بھی ابھی زیر و بم نہیں

زاہد نہ جھانک دیدۂ صد احتساب سے
اس میکدے کا کوئی دریچہ حرم نہیں

واعظ کے دل میں درد ہے حور و بہشت کا
منبر پہ اس کو خوفِ خدا و صنم نہیں

سب کچھ لٹا کے منزلِ قدسی کو پا لیا
زخموں سے چور ہوں مگر احساسِ غم نہیں

جب ان کو دیکھا تو دل ہاتھ سے لگا جانے
اب اس کے بعد جو عالم ہو وہ خدا جانے

بکھرتے دیکھا ہے کھلتے ہوئے شگوفوں کو
یہ راز کیا ہے اسے شوخیِ صبا جانے

زمانہ پھول سے چہروں پر جان دیتا ہے
ہمارے دل کی حقیقت کو کوئی کیا جانے

نگاہِ شوق نے صدمے سہے محبت کے
نگاہِ شوق، محبت کا ماجرا جانے

اسے بٹھا نہ خرابات میں کبھی ساقی
شراب کو جو غمِ عشق کی دوا جانے

ہوا کچھ ایسی مخالف بھی تھی نہ اے قدسیؔ
سفینہ کس طرح ڈوبا ہے ناخدا جانے

عظمتِ میکدہ بڑھا دی ہے
ہم نے ساقی کو بھی پلا دی ہے

شعلے بجھتے نہیں محبت کے
غم نے شعلوں کو وہ ہوا دی ہے

لمحہ بھر بھی کہیں قرار نہیں
کس نے طوفان کو سزا دی ہے

پھر کسی سے نہ ہو سکی تعمیر
تو نے دیوار جو گرا دی ہے

دیکھئے کون رنگ بھرتا ہے
ہم نے تصویر تو بنا دی ہے

حکم یہ ہے کہ گفتگو بھی چلے
مہر ہونٹوں پہ بھی لگا دی ہے

کوئی آیا نہ کوئی آئے گا
ہم نے ہر موڑ پر صدا دی ہے

ان کی آمد پر رقص کرتے ہیں
کس نے پھولوں کو بھی پلا دی ہے

ابرِ باراں گزر گیا خاموش
کس نے دھرتی کو بددعا دی ہے

جو بھی آئے ہمیں پڑھے قدسیؔ
اپنی صورت خبر بنا دی ہے

❖

آج محفل میں کون آیا ہے
سارا ماحول جگمگایا ہے

پھول اب کے برس کھلے ایسے
جیسے بیمار مسکرایا ہے

دسترس ایک پھول پر کیا ہو
سارا گلزار ہی پرایا ہے

آپ دشمن ہیں کس لئے میرے
میرا دشمن تو میرا سایہ ہے

ہر قدم احتیاط سے رکھا
ہر قدم پر فریب کھایا ہے

جانے تصویر کب مکمل ہو
ایک خاکہ سا تو بنایا ہے

پھر زمانے سے دُور ہونا پڑا
پھر ترا غم قریب آیا ہے

جس کے ہمراہ تیری یاد نہیں
ہر قدم پر وہ ڈگمگایا ہے

آپ تسلیم کیوں نہیں کرتے
دھوپ پر بھی کسی کا سایہ ہے

میرے احساس کی ہواؤں سے
موسموں نے فروغ پایا ہے

آپ مشکوک ہو گئے کس سے
میں نہیں ہوں یہ میرا سایہ ہے

آج پیرِ مغاں بنا قدسیؔ
آج ساقی بھی ڈگمگایا ہے

❖

اب زبانِ میکدہ میں گفتگو ہونے لگی
ہر جوانی نو بہ نو نذرِ سُبو ہونے لگی

پھر وہ قاتل بن سنور کر آ گیا بازار میں
قتل ہونے کی سبھی کو آرزو ہونے لگی

آپ جب آئے نہ تھے مجھ پر رہی واجب تلاش
آپ ہیں تو کیوں تلاشِ رنگ و بو ہونے لگی

غیر کی بے باک اور گستاخ نظریں دیکھ کر
لہر دریائے شرافت کی، لہو ہونے لگی

اب تو ہم سے ہر گلی کا موڑ کرتا ہے سوال
کیوں حیا انسانیت کے روبرو ہونے لگی

اب گدائے میکدہ بھی بددعا دینے لگا
آبروئے میکدہ بے آبرو ہونے لگی

چھین لی جس آرزو نے عمر بھر کی کائنات
آج پھر قدسیؔ اسی کی آرزو ہونے لگی

❖

سر بسر قلاش ہو کر رہ گیا
چلتی پھرتی لاش ہو کر رہ گیا

غور سے پڑھتا ہوں ہر چہرے کو میں
آدمی اوباش ہو کر رہ گیا

جذب کی ہیں میں نے اتنی تلخیاں
کڑوے پھل کی قاش ہو کر رہ گیا

میں ہی کل تک زندگی کا راز تھا
آج لیکن فاش ہو کر رہ گیا

دہر کے گنجان قبرستان میں
ایک زندہ لاش ہو کر رہ گیا

زندگی عہدِ گراں میں ہے عزیز
میں بھی کیا عیاش ہو کر رہ گیا

بازیٔ نَو کون قدسی کھیلتا
میں پرانا تاش ہو کر رہ گیا

❖

دھوپ بن کر ہی کوئی شخص بچائے مجھ کو
ڈھونڈتے پھرتے ہیں ظلمات کے سائے مجھ کو

میں جو گرتا ہوں سنبھلنے کے لئے گرتا ہوں
کوئی چاہے جو گرانا تو گرائے مجھ کو

غمِ جاناں! میری حالت پر ترس کھا تو ہی
غمِ دوراں نے بڑے زخم لگائے مجھ کو

کچھ نہ کچھ میری انا کا تو بھرم رہ جائے
تیری محفل میں کوئی کھینچ کے لائے مجھ کو

اپنے کردار کی تصویر کو میں دیکھ سکوں
کوئی اس ڈھب کا فسانہ بھی سنائے مجھ کو

جو نہیں آج بھی تاثیرِ دعا کا قائل
آئے وہ شوق سے اور آ کے گرائے مجھ کو

جس کے احساس سے اوجھل نہیں انجام کلیم
وادیٔ طور میں کیوں کھینچ کے لائے مجھ کو

کتنا بے درد سا ہے خوف بھی تنہائی کا
میرا سایہ بھی اندھیرے میں ڈرائے مجھ کو

میں خدا کو بھی خدا کہتا جہاں میں قدسیؔ
کاش دے سکتا کوئی ایسی بھی رائے مجھ کو

❖

سوئے مقتل مسکرا کر لے گیا
وہ مجھے اپنا بنا کر لے گیا

گدلا پانی مغربی تہذیب کا
اجلے ذہنوں کو بہا کر لے گیا

دور جانے والا میرے قہقہے
اپنی آنکھوں میں چھپا کر لے گیا

میرے احساسات ہیں مہکے ہوئے
رات مجھ کو کون آ کر لے گیا

مجھ کو میری بزم سے وہ کم سخن
اپنی باتوں میں لگا کر لے گیا

تیری محفل سے میں الزاموں کا بوجھ
اپنی پلکوں پر بٹھا کر لے گیا

جستجو اب تک اسی ساحر کی ہے
جو مجھے مجھ سے چھڑا کر لے گیا

میکدے میں جس سے بنتی تھی شراب
شیخ وہ نسخہ چرا کر لے گیا

کون قدسیؔ باغباں کے بھیس میں
پھول کی رنگت اڑا کر لے گیا

❖

زرد کلیوں کی رفاقت بھی سہانی ہو گی
خود سے بے زار نہ اب رات کی رانی ہو گی

وہ گیا دور کہ جب ہونٹ سلے ہوتے تھے
اب تو ہر بزم میں ہر بات زبانی ہو گی

اب تو مرجھائے ہوئے پھول کی قسمت میں بھی
نکہتِ باد بہاری کی جوانی ہو گی

وہ وفاؤں یا جفاؤں کا لبادہ اوڑھیں
دوستی ان سے بہ ہر حال نبھانی ہو گی

غم کے آثار نہ اب دل کی جبیں پر ہوں گے
نہ بہ عنوانِ جفا اپنی کہانی ہو گی

میری تحریر میں انوارِ محبت پنہاں
میرے ہر شعر میں ہر دل کی کہانی ہو گی

کون کلیوں کے تماشے میں رہا ہے شامل
اب کوئی بات نہ صیاد چھپانی ہو گی

دستِ قاتل پر ابھر آئیں گے ہر ظلم کے داغ
خونِ انسان کی قدسی یہ نشانی ہو گی

❖

سایہ جو میرا دھوپ کے خنجر سے کٹ گیا
میرا وجود دہر کی نظروں میں بٹ گیا

قائم تھا ذوقِ دید تو موسم خراب تھا
آنکھیں گئیں تو کہر کا بادل بھی چھٹ گیا

اس نے جو مسکرا کے میری سمت کی نظر
میری وفا کا راستہ پھولوں سے اٹ گیا

کتنا حسیں ہے مختلف رنگوں کا امتزاج
ہر ایک ذہن مختلف حلقوں میں بٹ گیا

میں نے کیا جو اپنے اصولوں سے انحراف
وہ بے اصول اپنے مؤقف پہ ڈٹ گیا

کس کی نگاہِ بد نے میرے قد کو ڈس لیا
ہائے پر جسم اپنے ہی سائے سے گھٹ گیا

قدسیؔ رقم تھی جس پہ محبت کی سرگزشت
اب تو مزارِ دل سے وہ کتبہ بھی ہٹ گیا

❖

ساز سے کچھ گیت نکلے جام سے ٹکرا گئے
اہلِ محفل گردشِ ایام سے ٹکرا گئے

بن گئے ہیں آفتابِ صبح رخسارِ افق
وہ اندھیرے جو چراغِ شام سے ٹکرا گئے

شعلۂ شمعِ فروزاں ہنس پڑا بے ساختہ
چند پروانے بڑے آرام سے ٹکرا گئے

چلتے چلتے چھو لیا محرومیوں کی آگ کو
آج ہم سوزِ دلِ ناکام سے ٹکرا گئے

رہ کے تنہا زندگی کی رہ گزارِ شوق میں
ہم ہمیشہ کثرتِ آلام سے ٹکرا گئے

چین لینے کب دیا ہے قوتِ پرواز نے
جال سے الجھے کبھی ہم دام سے ٹکرا گئے

بن گیا ان کا لہو صبحِ مسرت کی نوید
جو ستارے منزلِ شب نام سے ٹکرا گئے

ان کی نظروں سے ملی پھر بے یقینی کی جھلک
کچھ حقائق آج پھر اوہام سے ٹکرا گئے

وقت کا طوفاں بنا ہے کچھ سفینوں کی غذا
کچھ سفینے ساحلِ ایام سے ٹکرا گئے

یوں ہوا محسوس قدسیؔ ہم کو ہنگامِ غزل
جیسے موتی فکر کے الہام سے ٹکرا گئے

❖

اس طرح تو دل میں آ کر رقص فرمایا نہ کر
نت نئے سانچے میں ڈھل کر مجھ کو تڑپایا نہ کر

مجھ کو آنکھیں تو بچھا لینے دیا کر راہ میں
چپکے چپکے دل کے ویرانوں میں یوں آیا نہ کر

ٹھوکریں کھا کر کبھی تو سرخرو ہو جائے گا
شوق اڑنے کا جو ہے گرنے سے گھبرایا نہ کر

چھن بھی جاتا ہے یہاں بربط کا احساسِ رسا
مطربہ! اس بے حسی کے دور میں گایا نہ کر

بے خودی کی آبرو تجھ کو اگر مقصود ہے
میکدے سے لڑکھڑاتا اس طرح آیا نہ کر

چار دن مجھ کو بھی لے لینے دے لطفِ زندگی
میرے سر پر عشرتِ تقدیر کا سایہ نہ کر

موت تو خود اک حیاتِ جاوداں کا نام ہے
اختیاری چیز کو قدسیؔ تو ٹھکرایا نہ کر

❖

طوفانِ بیکراں کے طلبگار کیا ہوئے
وہ کشتیاں وہ قلزمِ ذخار کیا ہوئے

پھینکے سحر نے اوس کے قطرے مرے ہوئے
اب کے برس بہار کے آثار کیا ہوئے

اپنے گھروں کی آخری تصویر دیکھ لیں
وسعت پذیر شہر کے بازار کیا ہوئے

وہ جن کی لغزشیں بھی ملائک شکار تھیں
ساقی وہ تیرے رند وہ مے خوار کیا ہوئے

مرجھا چلی ہیں صحنِ تمنا کی رونقیں
میرے چمن کے صاحبِ کردار کیا ہوئے

تجھ سے بھلی تھی شام کے جلووں کی روشنی
اے صبح! تیرے کاکل و رخسار کیا ہوئے

اپنے گھروں کے راستے بھی اجنبی ہوئے
ہم منزلوں سے برسرِ پیکار کیا ہوئے

ہر صبح پر ہے شام کا پہرہ لگا ہوا
ہم شہرِ آرزو کے طلبگار کیا ہوئے

آباد جن کو چھوڑ کر آئے تھے دوستو
''وہ شہر آہ! وہ در و دیوار کیا ہوئے''

جن سے پناہ مانگتے رہتے تھے فاصلے
قدسیؔ وہ آج صاحبِ رفتار کیا ہوئے

❖

ہیں آس کے کہار نہ دلہن خیال کی
ویراں پڑی ہے دیر سے یادوں کی پالکی

تخلیق کے حصار میں لمحے اسیر ہیں
دنیا ہے میرے ذہن میں سوچوں کے جال کی

مجھ سے ملا ہے حسنِ معانی کو اک وقار
وہ میں، کہ جس نے لفظ کی عظمت بحال کی

ایسے براجمان ہے وہ دل کے تخت پر
جیسے کہ حسنِ شعر میں بندش خیال کی

نیکی چھپا رہے ہیں بدی کے لباس میں
قدریں بدل چکی ہیں حیاتِ خیال کی

سایوں نے آفتاب کو محبوس کر لیا
کیا داستاں ہے میری سحر کے زوال کی

دوشیزۂ سحر تیرے گھر کا چراغ تھی
قدسؔی نے ہی نہ قدر کی کرنوں کے تھال کی

❖

مجھ کو اس دُہرے تعلق پہ بہت ناز بھی ہے
میرا دشمن ہی نہیں وہ میرا ہمراز بھی ہے

دل میں اک عزم بھی ہے ذوقِ تگ وتاز بھی ہے
دیکھنا یہ ہے کہ لمحہ کوئی دمساز بھی ہے

اس لئے شام کی پلکوں پہ جلاتا ہوں چراغ
لوگ کہتے ہیں کہ یہ شام سحر ساز بھی ہے

دامنِ دل پہ یہ دنیا کی محبت کا نشاں
داغِ عصیاں ہی نہیں تمغۂ اعزاز بھی ہے

تو خیالوں میں بسا رہتا ہے خوشبو کی طرح
آج اس رشتۂ خاطر پہ مجھے ناز بھی ہے

مجھ کو اظہارِ غم دل کی ضرورت ہی نہیں
میری صورت مرے حالات کی غماز بھی ہے

ہم صفیرانِ چمن جرأتِ پرواز کریں
آب و دانہ بھی ہے میدانِ تگ و تاز بھی ہے

تو ہے اک اجنبی لٹ جائے گا دل کے ہاتھوں
صاحبِ خانہ یہاں خانہ بر انداز بھی ہے

مجھ کو تنہائی میں اکثر یہ ہوا ہے محسوس
میرے نزدیک کوئی دور کی آواز بھی ہے

بے تحاشا ہوئے مائل بہ کرم وہ قدسیؔ
ایسی بے وجہ نوازش میں کوئی راز بھی ہے

❖

پچھتا رہا ہوں درد کی شہنائی ڈھونڈ کر
لاؤں کہاں سے گوشۂ تنہائی ڈھونڈ کر

تیری گلی میں خلد کی رعنائیاں بھی تھیں
ہم کم نگاہ لائے ہیں رسوائی ڈھونڈ کر

بے پیرہن رہی ہے ہر اک موجِ آب جُو
ہم لوگ لا سکے نہ مگر کائی ڈھونڈ کر

ذروں میں بٹ چکی تھی ازل ہی سے روشنی
ہم کیا کریں گے عالمِ یکتائی ڈھونڈ کر

تیرے لئے اے گرمیِ بازارِ زندگی
ہم لا رہے ہیں اپنے تماشائی ڈھونڈ کر

دل پر نگاہ کر مِرے دل پر نگاہ کر
لایا ہوں ایک تیرا تمنائی ڈھونڈ کر

قدسیؔ حدودِ ارض و سما میں نہ وہ ملا
میری نگاہِ شوق بھی لوٹ آئی ڈھونڈ کر

❖

ضبط نے اشکوں کے دھارے کو پھر بہنے سے روک دیا ہے
اک مجبوری نے محفل میں سچ کہنے سے روک دیا ہے

اب تو خوشیوں سے بھی دل پر چوٹ بلا کی پڑتی ہے، اور
عالم یہ ہے ہم نے دل کو غم سہنے سے روک دیا ہے

دار و رسن ہے اپنی منزل، طوق و رسن ہے اپنا زیور
لیکن اس ظالم نے دیکھو اس گہنے سے روک دیا ہے

دل کی بات زباں تک آئی اس نے دیکھا میری جانب
اس کی آنکھوں کے تیور نے کچھ کہنے سے روک دیا ہے

کس نے بند ہیں باندھے دل کی امیدوں کی موجوں پر بھی
قدسیؔ کس نے دل کا دریا پھر بہنے سے روک دیا ہے

لہلہاتا کھیت جل کر روشنائی دے گیا
وصل کا موسم مجھے فصلِ جدائی دے گیا

دیکھئے کیا خوش مذاقی ہے میرے صیّاد کی
پر کتر کر جو مجھے اذنِ رہائی دے گیا

مر سکے آواز اس کی یہ کبھی ممکن نہیں
جس کو سورج کا بدن شعلہ نوائی دے گیا

اس نظامِ وقت کو کیسے دعا دے گا کوئی
جو زمانے بھر کو کشکولِ گدائی دے گیا

میری سوچوں کے لئے وہ بن گیا ہے رتجگے
جو مرے دشمن کو بزمِ آشنائی دے گیا

ہم سفر رہزن کہ رہبر کوئی تھا قدسیؔ مگر
کاٹ کر مجھ کو مرا دستِ حنائی دے گیا

شاداب گل و سر و سمن کرتے رہیں گے
ہر حال میں تزئینِ چمن کرتے رہیں گے

جینے کے قرینے سے ہیں ہم لوگ شناسا
سرمایۂ جاں نذرِ وطن کرتے رہیں گے

ہر اشک میں پھیلائیں گے تنویرِ تبسم
ہم خدمتِ اربابِ محن کرتے رہیں گے

ہیں جن میں شجاعت کے گراں قدر کنایے
پھر تازہ وہ اسباقِ کہن کرتے رہیں گے

ہر سمت ہیں طوفانِ حوادث کے تھپیڑے
کشتی کو بچانے کا جتن کرتے رہیں گے

اک روحِ عزائم سے تہوّر کی نظر سے
مضبوط بہت رشتۂ تن کرتے رہیں گے

محنت سے، محبت سے، عقیدت سے، لگن سے
ہر دشت کو گلزارِ عدن کرتے رہیں گے

افکار کے سیلاب سے پرچم کے قلم سے
تعظیمِ وطن صاحبِ فن کرتے رہیں گے

تحریر و بیاں، لہجہ و الفاظ سے قدسیؔ
آداب زباں صرفِ سخن کرتے رہیں گے

(1972ء میں ریڈیو پاکستان لاہور کے مشاعرہ میں پڑھی)

شام ہوئی جاتی ہے سائے ڈھلتے ہیں
آپ تو شاید بیٹھیں گے ہم چلتے ہیں

ہم دل والوں کے بھی طور نرالے ہیں
انگارے کھاتے ہیں پھول اگلتے ہیں

گرنے والے! کیوں اتنا گھبراتا ہے
گرنے والے آخر کار سنبھلتے ہیں

میں لوگوں کی شہرت پر خوش ہوتا ہوں
لوگ میری رسوائی سے بھی جلتے ہیں

گرگٹ بس اک رنگ بدلنے کا مجرم ہے
لوگ تو ہر موسم میں ذات بدلتے ہیں

تاریکی میں ڈوبتے جاتے ہیں ہم لوگ
تاریکی سے جتنا بچ کر چلتے ہیں

امن کے راہی ہیں ہم لوگ مگر قدسیؔ
تلواروں کے سایے سایے چلتے ہیں

❖

اونچا کریں وقارِ خودی، بے خودی سے ہم
پاتے ہیں منزلوں کے نشاں، گمرہی سے ہم

کیا جانئے کہ کس گھڑی حکمِ سفر ملے
رختِ سفر تو باندھ رہے ہیں ابھی سے ہم

ہم کو نہ اتنا ترکِ تعلق کا رعب دے
مانوس ہو چکے ہیں غمِ دوستی سے ہم

احساس تیرگی کا مسلط ہے ذہن پر
مایوس ہو نہ جائیں کہیں روشنی سے ہم

اس سے غرض نہیں ہے کہ لُوٹے گا کون کون
ہاں! لٹنا جانتے ہیں بڑی سادگی سے ہم

اس بے لحاظ شہر کے باسی تو ہیں مگر
رہتے ہیں اک وقار سے، شائستگی سے ہم

اک بار بھی ملی نہ ہمیں دید کی کرن
گزرے ہزار بار گو تیری گلی سے ہم

مسلک ہمارا مسلکِ انسان دوستی
ملتے ہیں دوستوں کی طرح ہر کسی سے ہم

ہم کو بہت عزیز ہے گلشن کی آبرو
کرتے ہیں پیار مسلی ہوئی ہر کلی سے ہم

قدسیؔ اگرچہ اہلِ حرم کے امام تھے
لگتے ہیں میکدے میں مگر مقتدی سے ہم

❖

گو پہلے بھی فضا میں نمی کی کمی نہ تھی
لیکن ہوا تو برف کی صورت جمی نہ تھی

ہر شخص کے مزاج میں تلخی تھی بے گماں
ماحول کے مزاج میں یوں برہمی نہ تھی

وہ لُوٹ کر بھی دولتِ راحت نہ پا سکے
میں لٹ گیا تھا پھر بھی مجھے کچھ غمی نہ تھی

ہر شخص کا جدا ہی تھا گو نقطۂ نظر
لیکن یہ دشمنی تو کبھی باہمی نہ تھی

ہر چند راستوں پر گلوں کا گزر نہ تھا
کانٹوں سے یوں اٹی تو رہِ آدمی نہ تھی

آتا رہا ہے پہلے بھی قوموں پر انحطاط
لیکن کبھی خلوص کی اتنی کمی نہ تھی

رہزن تو بے شمار تھے قاتل تھے خال خال
چہرے تھے غم سے زرد، فضا ماتمی نہ تھی

قدسیؔ نہ گو نہال تھا ہر نخلِ گلستاں
اشکوں سے چشمِ غنچہ مگر شبنمی نہ تھی

❖

کیا اوج پر ہے رونقِ بازار ان دنوں
بکنے لگے ہیں خود ہی خریدار ان دنوں

مہر و وفا کا جسم ہوا ہے لہو لہو
ہے داغ داغ عظمتِ کردار ان دنوں

مرجھا نہ جائیں شاخِ تمنا کی کونپلیں
بادِ ضمیر ہم سے ہے بے زار ان دنوں

اب تو جھلس رہے ہیں گھنی چھاؤں میں بھی جسم
ملتا کہاں ہے سایۂ دیوار ان دنوں

گلشن کی آبرو کو بہاروں نے ڈس لیا
ہے خار، گل سے بر سرِ پیکار ان دنوں

تصویر لے اڑی ہے مصوّر کے خال و خد
خائف ہیں اپنے رنگ سے شہکار ان دنوں

قدسؔی ہر ایک سوچ ہے فرقوں میں بٹ گئی
تنگ ہو گیا ہے حلقۂ افکار ان دنوں

❖

مجرمِ عشق ہیں، ملزمِ اشک ہیں ہم کو منظور ہے ہر سزا دوستو
روزِ اوّل ہی سے اپنی تاریخ میں بند ہے خوف کا داخلہ دوستو

سجدہ کرتے نہیں ہیں خدا کے سوا گر یہ ہے کفر لاریب کافر ہیں ہم
ہم کو آتی نہیں دیں میں سوداگری، اپنا مسلک ہے سب سے جدا دوستو

پیار کے شہر میں موجِ نفرت اٹھی اس کی رونق کو کس کی نظر کھا گئی
نفسا نفسی کا عالم ہے ماحول میں پیار کا چاند گہنا گیا دوستو

میرے نغمات کی کوئی قیمت نہیں دوستو اپنا پیشہ نہیں شاعری
مقصدِ زیست ہے یہ فقط تیرگی کو ملے زندگی کی ضیا دوستو

رحمتِ احمدِ مجتبیٰؐ کی قسم بے کسوں پر بھی ہوگا خدا کا کرم
سوئے مقتل چلے مسکراتے ہوئے آج خدامِ دینِ ہُدیٰ دوستو

نکہتِ زندگی کی لویں نہ جلیں آؤ جذبات کے دائرے توڑ دیں
رونقِ بزمِ احساس کے واسطے کوئی برپا کریں معجزہ دوستو

اب اندھیرے بلا سے ٹلیں نہ ٹلیں بارشِ تیرگی اب تھمے نہ تھمے
روشنی کی کرن ڈھونڈتے ڈھونڈتے مر گیا شاعرِ بے نوا دوستو

چاند سورج کی کرنوں کے محتاج بھی آپ ہونگے مگر ساتھیو ہم نہیں
روشنی کا وسیلہ ہے اپنے لئے صرف مہتابِ غارِ حرا دوستو

کیوں غلامی سے قدسیؔ ہیں مانوس ہم کیا ہوا ہے وہ احساسِ حبِّ وطن
خود بجھانے لگے اپنے اسلاف کا جگمگاتا ہوا اک دیا دوستو

❖

# نذر امیر مینائی

گلہ کوئی اہلِ میکدہ سے نہ لب پہ شکوہ حرم نشیں کا
جسے بھی خون جگر پلایا وہ سانپ نکلا ہے آستیں کا

گرے تعصب کی آندھیوں سے جو دل کے مینار بھی تو کیا غم
دل و نظر پر مقام واضح تو ہوگیا لطفِ ہم نشیں کا

ہمیں نے اپنے لہو سے بخشی تھی بوٹے بوٹے کو گل فشانی
بہار آئی جو گلستاں میں تو چاک داماں ہوا ہمیں کا

کچھ اس طرح جی رہے ہیں اب ہم تری تکدّر بھری فضا میں
نہ رنگ محفل نہ جوشِ الفت نہ ہوش کچھ جیب و آستیں کا

یہ راز کیا ہے کہ سرفرازی ملی ہمیشہ انہیں جنہوں نے
خدا کے دیں کا ہی نام لے کر مذاق اڑایا خدا کے دیں کا

خلوصِ ذوقِ نمو سے محروم کھیتیاں ہوگئیں ہیں قدسیؔ
نہ جانے کس بدنظر نے اب کے سہاگ لوٹا ہے اس زمیں کا

''قریب یارو ہے روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا''

❖

گر چراغِ آخرِ شب سے سفر ہوتا نہیں
کس لئے اعلانِ تقریبِ سحر ہوتا نہیں

دوستو ہر موج ساحل سے گلے ملتی نہیں
دوستو! ہر سیپ کے اندر گہر ہوتا نہیں

میں گیا چشمِ تماشائی کی بینائی گئی
میری صورت تو کوئی محفل بدر ہوتا نہیں

کیوں غریبوں پر ہی گرتے ہیں معیشت کے پہاڑ
کیا غریبوں کی دعاؤں میں اثر ہوتا نہیں

ہر شناسا پر نہ کیجئے آپ اندھا اعتماد
اڑنے والا ہر کبوتر نامہ بر ہوتا نہیں

شیخ کو درکار ہیں ماحول کی ہمدردیاں
اس کے سجدوں میں خدا پیشِ نظر ہوتا نہیں

ہر ملاقاتی سے کیوں رکھتے ہو امیدِ کرم
ہر ملاقاتی کے اندر چارہ گر ہوتا نہیں

ہر کرن لیتی نہیں قدسیؔ اندھیروں سے خراج
ہر دیا جیسے چراغِ رہگزر ہوتا نہیں

❖

کانٹے ہیں جس طرف بھی نظر کر رہے ہیں ہم
چھلنی ہیں پاؤں پھر بھی سفر کر رہے ہیں ہم

خالق بھی جب بشر سے ابھی پُر امید ہے
پھر کیا جو اعتبارِ بشر کر رہے ہیں ہم

پھونکی لہو کی آگ سے دہلیزِ شامِ غم
تاریکیوں میں نورِ سحر کر رہے ہیں ہم

ہر شب کو شب کہا ہے سرِ دار بارہا
آساں نہیں یہ کام مگر کر رہے ہیں ہم

کل تک ہمیں نصیب نہ تھے بال و پر مگر
پرواز آج تا بہ قمر کر رہے ہیں ہم

بطنِ صدف میں آنکھ نہ کھولے کوئی گہر
ساحل کی خامشی کو بھنور کر رہے ہیں ہم

ہر شخص اپنے سائے پہ رکھے کڑی نظر
لٹنے سے پہلے سب کو خبر کر رہے ہیں ہم

عہدِ گراں میں قدسیؔ تہی دست زندگی
کس کو کہیں کہ کیسے بسر کر رہے ہیں ہم

❖

جس کی راہوں پر مسلط ہے تعصّب کی ہوا
اے خدا! تو نے مجھے کس دور میں پیدا کیا

بھیک بھی ملتی نہیں اب تو خدا کے نام پر
ظرف کتنا گر گیا اس دَور کے انسان کا

زینۂ شہرت ہے یہ ہر شخص کی پگڑی اچھال
نیک کہلانا ہے تو ہر شخص پر تہمت لگا

باغباں نے اوڑھ لی جب سے ردا صیاد کی
اڑتے جاتے ہیں چمن سے طائرانِ خوشنوا

بادۂ آسودگی سے وہ کبھی ممکن نہ تھا
جو مزا مجھ کو مسائل کی خراشوں نے دیا

روز اونچی ہوتی جاتی ہے ضرورت کی فصیل
روز مجھ کو مل رہی ہے میری غربت کی سزا

مشرقی اقدار میں قدسی سکونِ دل تو ہے
ہو سکے تو مغربی ماحول سے دامن بچا

❖

در و دیوار تک ڈوبے ہیں نفرت کے پسینوں میں
تصادم بڑھتا جاتا ہے مکانوں میں مکینوں میں

مری دھرتی محبت کی وفا کی اک علامت تھی
یہ کس نے نفرتوں کے بیج بوئے ہیں زمینوں میں

اگر سانپوں نے تجھ کو ڈس لیا ہے تو گلہ کیسا
تمہیں کس نے کہا تھا ان کو پالو آستینوں میں

سقوطِ فکر کی سازش کو طشت از بام ہونا ہے
چھپانے سے کہاں چھپتے ہیں ایسے راز سینوں میں

انہیں کے ذکر سے تاریخ کا چہرہ مزیّن ہے
زمانے کی نظر میں تھے جو تیروں میں نہ تینوں میں

گراوٹ کے سفر میں اس قدر ہم تیز رو نکلے
جو سالوں کا سفر تھا طے کیا ہم نے مہینوں میں

ہدف ہے ہر نظر کا تُو تو اس میں برہمی کیسی
تمہیں نے دولتِ دیدار بانٹی تھی کمینوں میں

غلافوں کا کہاں تک ساتھ دیں چہرے یہاں قدسیؔ
بدن تقسیم ہو کر رہ گئے باریک بینوں میں

❖

کل رات جو دیکھی تھی عجب رویا تو میں رویا
وہ مجھ سے گلے مل کے جو رویا تو میں رویا

میں نے جو مسافر کی تھکن گود میں رکھ لی
اس نے مرے دامن کو بھگویا تو میں رویا

موتی تیری یادوں کے جو بکھرے تو ہنسی آئی
پلکوں سے جو یادوں کو پرویا تو میں رویا

کٹیا کی تو قسمت میں تھا بارش سے گلے ملنا
سیلاب نے بستی کو ڈبویا تو میں رویا

اظہار نے رستہ تو بنانا تھا بہ ہر طور
وا ہو نہ سکے جب لبِ گویا تو میں رویا

بے چینی مقدر میں لکھی تھی مرے قدسیؔ
جب میری طرح وہ بھی نہ سویا تو میں رویا

جو جاں سے گزرنے چلے پا پیادہ ہم سے زیادہ
زمانے میں کس کا ہے پختہ ارادہ ہم سے زیادہ

کوئی ہے کہ زخموں کی خوشبو سے مہکے ماحول جس کا
کوئی ہے کہ جس کا ہو رنگیں لبادہ ہم سے زیادہ

کوئی ہے جو پتھر کے کانٹوں پر لمبی رہ پر ہو نکلا
کوئی ہے کہ محتاج ہے جس کا جادہ ہم سے زیادہ

تعصّب کی آری کی زد میں ہے آیا کون آج ہنس کر
ہوا جسم جس کا برادہ برادہ ہم سے زیادہ

کوئی ہے جو رکھتا ہے مثلِ سمندر وسعت کی دولت
کوئی ہے جو رکھتا ہے سینہ کشادہ ہم سے زیادہ

ہمیں تو وہی شخص اچھا لگے گا، قدسیؔ یہاں پر
قلم کا دھنی ہو طبیعت کا سادہ ہم سے زیادہ

جب کوئی خدمت نہیں کیا حقِ خدمت مانگنا
یہ مناسب ہی نہیں جذبوں کی قیمت مانگنا

امتحاں کی چار دیواری میں آ بیٹھے تو پھر
ممتحن سے کس لئے حرفِ رعایت مانگنا

جانتا ہوں ان کی دلداری کے جذبے کو مگر
اچھا لگتا ہے مجھے ان سے اجازت مانگنا

بند کمرہ، خامشی، تنہائیاں کرنا پسند
اور خیالوں کے لئے خوشبوئے ندرت مانگنا

دوستی رکھنا مشقت کے پسینے سے بہت
اور جبیں کے واسطے رنگِ بشاشت مانگنا

خود لگانا صحن میں پھلدار بوٹے شوق سے
پتھروں کے خوف سے سر بھی سلامت مانگنا

جنگلوں میں گھومنا قدسیؔ تلاشِ رزق میں
ہر گھڑی مولا سے بس عزت کی دولت مانگنا

❖

اجنبی ملک میں زندگی کیسے بسر ہوتی ہے حساس فنکار بیان کرتا ہے :

یہ فضا یہ راستے ناآشنا
میں نے جانا تھا کہاں، آیا کہاں

ایک ملک بدر کی کربناکی موثر انداز میں کتنے زاویوں سے عیاں ہورہی ہے :

مجاور بھی انہیں کیوں یاد رکھیں
کہ جنکی قبر پر کتبے نہیں ہیں

ایک شریف النفس مفلس کی معاشی تنگدستی اس کوخون کے آنسو کیسے رلاتی ہے۔ ملاحظہ کریں :

لیے جو دھوپ میں چھاؤں کے قرضے
رُتیں گزریں ابھی اترے نہیں ہیں

مندرجہ بالا حیات کش فضاؤں میں بھی عبدالکریم قدسی انتہائی مضبوط آہنی ارادوں اور پُر امیدی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں :

اگر چہ خشک ہیں اور ختم ہونے والے ہیں
یہ کم نہیں کہ میسر ابھی نوالے ہیں
گلستاں چھوڑنا شکست نہیں
اب بھی کانٹوں سے جنگ جاری ہے
دھوپ کیسی بھی تھی مگر ہم نے
سر سے پگڑی نہیں اتاری ہے
سفر میں رہنا نہ شکوہ گلہ کوئی کرنا
یہ مشق ظرف تو آب رواں سے آتی ہے

عبدالکریم قدسی صاحب کی تجرباتی شاعری اور انسان نواز شخصیت مجھے دونوں عزیز ہیں۔ خدا ایسے نیک فنکار کو صحت وسلامتی کے ساتھ زندہ رکھے آمین۔ مجھے یقین ہے ان کا آمدہ غزلیہ مجموعہ اپنی انوکھی معنویت اور شعری صداقتوں کی بدولت پزیرائی حاصل کرے گا۔ آمین! دعاؤں کے ساتھ

پروین کمار اشک

پٹھانکوٹ (پنجاب) بھارت

7 مارچ 2017ء

# شاعر کے بارے میں



نام : عبدالکریم قدسی

والد کا نام : میاں اللہ دتہ

تاریخ پیدائش : ۶ر جون ۱۹۴۸ء

جائے پیدائش : موضع کرتو ضلع شیخوپورہ

تعلیم : میٹرک، پنجابی فاضل

ادبی سفر کا آغاز : ۱۹۶۸ء

ادبی شناخت : شاعر، افسانہ نگار، کہانی کار، سفرنامہ نگار، گیت نگار

پنجابی کتب : پیڑ دے پتھر (آزاد نظمیں) ۱۹۷۷ء، سردل (غزلاں)، برہوں دی رڑک (گیت) ۲۰۰۲ء
ہنگال (ٹپے، ماہیے، بولیاں، چومصرے)، پاسکو (غزلاں، نظماں، گیت)
پکھیروں بال ادب نمبر ۲۰۰۶ء، منظوم پنجابی ترجمہ "القصیدہ"
قلم کبوتر (دوستاں نوں لکھے گئے منظوم خط)

اُردو کتب : اے میرے پیارے امام (غزلیں، نظمیں)، رزق خیال (غزلیں، نظمیں)
آدابِ ہجر (غزلیں و نظمیں)، دستِ منور (غزلیں و نظمیں)
اشکِ رواں (غزلیات)

ایوارڈ : پاکستان رائٹرز گلڈ ایوارڈ، مسعود کھدر پوش ایوارڈ، پی ٹی وی ایوارڈ برائے گیت نگار
حرفِ نو ایوارڈ برائے پنجابی غزل

وابستگی : روزنامہ امروز، نوائے وقت، مشرق، مغربی پاکستان، مساوات
ہفت روزہ لاہور، تخلیق،
ماہنامہ تحریریں، نصرت، لہراں، پنجابی ادب، سویرا انٹرنیشنل، میری بولی میرا دھرم

ISBN 978-969-9003-172-0
9 789699 003172